ضخامت ۹۰ صفحے، کاغذ و طباعت بہتر قیمت ۸؍ پتہ :- شیخ محمد اشرف کشمیری بازار، لاہور،

اس مختصر رسالہ مین موجودہ جنگ کے آغاز سے اپریل ۱۹۴۱ء تک ہندوستان کے آئینی الجھاؤ کے مختلف پہلوؤن پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس سلسلہ مین کانگریس اور مسلم لیگ کی سیاسی جدوجہد دونون جماعتون کی جنبش اور ان کے طرز عمل سے برطانوی حکومت کی پالیسی مین وقتاً فوقتاً جو تبدیلیان ہوتی گئی ہین، ان پر بھی بحث کی گئی ہے، اسی کے ساتھ کانگریس کے سوراج کے تخیل، مجلس دستور ساز کے مطالبہ، مسئلہ اقلیت، عارضی قومی حکومت، وائسرائے کا اعلان اگست ۱۹۴۰ء، وزیر ہند کے مختلف بیانات، مسلم لیگ کے مطالبات، خصوصاً پاکستان کی اسکیم پر خوش اسلوبی سے تبصرہ کیا گیا ہے، مولف مسلم لیگی ہین، اسلئے لیگ کے طرز عمل اور مطالبات کو واقعات اور حقائق کی روشنی مین سراہنے کی کوشش کی ہے، اور پاکستان کو ہندوستان کے آئینی اور فرقہ وارانہ اختلافات کا واحد حل قرار دیا ہے، ممکن ہے کسی کو مولف کی رائے سے اختلاف ہو، لیکن تحریر کی متانت و سنجیدگی کے اعتبار سے یہ رسالہ ہندوستان کی سیاست سے دلچسپی رکھنے والون کے غور و مطالعہ کے لائق ہے،

نغمۂ توحید، از جناب سعید تقطیع اوسط ضخامت ۵۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، پتہ :- شرف الدین الکتبی واولادہ، ۲۹ محمد علی روڈ بمبئی، نمبر۳،

نغمۂ توحید ساز سعید کا اسم بامسمٰی نغمہ یعنی توحید، اصلاح عقائد، صحیح دینی تعلیمات اور دوسرے مفید مذہبی موضوعون پر نظمون کا مجموعہ ہے، یہ نظمین شاعری کی زبان مین وعظ و درس کی حیثیت رکھتی ہین، البتہ کہین کہین شاعری کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے، جس سے اس قسم کی شاعری مین بچنا بہت دشوار ہے،

"ص ع"

جلد ۴۹ ماہ جمادی الاول ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ جون ۱۹۴۲ء عدد ۶

مضامین

شذرات

آجکل گرمی کی شدت سے دارالمصنفین سونا پڑا ہی، اکثر رفقاء اپنے گھروں میں ہیں، خاکسار اپنے وطن میں ہو، مولانا مسعود علی صاحب اپنے وطن میں اپنی تعمیر میں مصروف ہیں، حیاتِ شبلی کی چھپائی بھی گرمی کی حدت کے سبب سے روک دی گئی ہو، کوئی چھینٹا پڑے تو پھر کام شروع ہو،

رحمتِ عالم کی فروخت کا روپیہ جو چار ہزار تھا حسب اعلان دفتر ندوۃ العلماء کو بھیجدیا گیا تاکہ وہ ندوہ کے تعمیری فنڈ میں جمع ہو اور اس سے چھوٹے بچوں کا دارالاقامہ بنایا جائے، اس سلسلہ کی مزید خوشخبری یہ ہو کہ ملتان کی ایک تعلیم یافتہ مسلمان خاتون نے جن کا نام مختار بیگم ہے اور جو انگریزی مدارسِ نسواں کی انسپکٹریس ہیں، ڈیڑھ ہزار روپیہ کا چک اس لئے ہمارے پاس بھیجا ہے کہ ہم اس سے دارالعلوم ندوہ میں ان کے نام سے کوئی کمرہ بنوا دیں، اللہ تعالیٰ موصوفہ[1] کو جزائے خیر دے، اور مزید توفیقِ نیک بخشے،

ہندوستان میں مسلمان اپنی سیاسی خودمختاری کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں، لیکن یہ معلوم ہونا چاہئے کہ نفس سیاسی خودمختاری کی قیمت دنیا کے بازار میں کیا ہے؟ سیاسی خودمختاری اُس وقت تک دل خوش کن خواب سے زیادہ نہیں، جب تک اسکی اساس ایمانی، جسمانی، اقتصادی اور تعلیمی طاقتوں کے چار ستونوں پہ قائم نہ ہو،

---

[1] یہ تحریر پریس میں جا رہی تھی کہ ملتان سے موصوفہ کی وفات کی خبر موصول ہوئی، اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرمائے، (سلیمان)

انسان صرف اپنی طاقت سے زندہ رہتا ہے، ہماری انفرادی زندگی بھی ہماری طاقت ہی کا نتیجہ ہے، اگر ہمارے جسم و اعصاب اور دل و دماغ کے اندر قوت باقی نہ رہے تو ہم میں سے کسی فرد کی بھی انفرادی زندگی قائم نہیں رہ سکتی، اسی طرح کوئی اجتماعی زندگی بھی کبھی قائم نہیں رہ سکتی، اگر اس کے اندر ایمان کی طاقت، جسم کی طاقت، اقتصاد کی طاقت اور تعلیم کی طاقت نہ ہو،

قرآنِ پاک نے بنی اسرائیل کے آغاز سلطنت کے قصہ کے ضمن میں یہ بتا دیا ہے کہ حکمرانی کی صلاحیت و استعداد کے لئے دو صفتیں ضروری ہیں، بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ یعنی علم اور جسم کی طاقت، علم کی طاقت کے دائرہ میں ایمان اور تعلیم صحیح دونوں داخل ہیں، اور جسم کی طاقت میں اُس کے سپاہیانہ جوہر کی طرف صاف اشارہ ہی، اور جہادِ الٰہی کی راہ میں انفاق فی سبیل اللہ کی بار بار تاکید جماعت کی اقتصادی طاقت کو نمایاں کرتی ہے،

لوگ جسمانی و اقتصادی طاقت کی ضرورت کو تو تسلیم کریں گے، مگر ایمانی اور تعلیمی طاقت کے باب میں ہم سے دلیل کے طالب ہوں گے، لیکن ایمان اور تعلیم کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد یہ شک خودبخود زائل ہو جائے گا، انسان جس غرض سے کوئی کام کرتا ہے، اُس غرض کی صحت، اُس صحت کا یقین اور اس یقین کے لئے جاں فروشی کا جذبہ ایمان ہی، مسلمان کے جہاد کی اصل غرض و غایت، حکومت، تجارت، قومیت اور وطنیت نہیں، بلکہ صرف اعلاء کلمۃ اللہ ہی، یعنی ایک اللہ کی حاکمیت علی الاطلاق کے تحت میں انسانوں کی دینی اخوت کا قیام، اور اس مقصد کے حصول کے لئے صحیح طریق و تدابیر کے علم کا نام تعلیم ہے،

بس مختصر تمہید کے بعد یہ عرض کرنا ہے کہ مسلمان اگر اپنی سیاسی خود مختاری کے طلبگار رہیں تو ان کو چاہئے کہ اپنے اندر پہلے ایمان کی طاقت، جسم کی طاقت، جماعتی اقتصاد کی طاقت، اور تعلیم کی طاقت جمع کریں، اور اس کے وسیلہ سے سیاسی طاقت کا خواب دیکھیں،

دنیا میں آج بھی اور پہلے بھی جب کسی قوم نے سیاسی طاقت حاصل کی ہے، ان چار طاقتوں کے حصول کے بعد ہی کی ہے، دنیا کی پچھلی تاریخ تو افسانہ ہے، مگر آج کا پیشِ نظر قصہ تو حقیقت ناقابلِ انکار ہے، جس قسم کی سیاسی طاقت اور جس غرض کے لئے حکومت کا قیام آج جو قوم کر رہی ہے، غور سے دیکھئے کہ اس کے لئے اس کی ایمانی طاقت، جسمانی طاقت، اقتصادی طاقت، اور تعلیمی طاقت کس کس طرح ہر ہر قدم پر اُس کو سنبھال سنبھال کر آگے بڑھا رہی ہے،

اقتصادی طاقت کے معنی شخصی دولتمندی کے نہیں ہیں، بلکہ کسی نصب العین کے لئے قوم کی جماعتی مالی حالت کی بہتری اور اس سے زیادہ اس کے لئے ایثار، اور اس کے حصول کی راہ میں ہر انفرادی ضرورت کی قربانی،

مقالات

شریعتِ اسلام
اور
موجودہ ہندوستان مین کاشتکارونکے حقوق

از مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی

(۲)

موجودہ ہندوستان مین کاشتکارون کے حقوق

ان تصریحات کے سامنے آجانے کے بعد موجودہ ہندوستان کے کاشتکارون کے حقوق کے متعلق سب سے پہلی بات یہ ذہن مین رکھنے کی ہے کہ ہندوستان کے تمام صوبون مین چونکہ کاشتکاری کی نوعیت ایک قسم کی نہین ہے، لہذا تمام صوبون کی کاشتکاری پر ایک قسم کا حکم بھی نہ ہوگا،

بنگال اور بہار اور یو پی کے جن مشرقی اضلاع مین بندوبست دائمی او استمراری ہے، وہان موروثی زمین کے کاشتکار آئینِ اسلامی کی رو سے بلاشبہہ زمین کے مالک ہین جسکے مختصر دلائل حسبِ ذیل ہین،

لیکن وہ صوبے جہان کی اراضی "حکومتِ وقت" کی سمجھی جاتی ہین، اور ان کی نوعیت آئینِ اسلامی کی رو سے اراضی مملکت یا اراضی حوز" کی کہی جاسکتی ہے، وہ قابلِ بحث ہین، اور جب تک

اس صوبے کے حالات اور رعایا اور حکومت کے تعلقات کی پوری نوعیت سامنے نہ ہو، نہ اُن پر رائے دیجا سکتی ہے، اور نہ آئینِ اسلامی کو ان پر منطبق کیا جاسکتا ہے، اس لئے ذیل مین ہم جو کچھ لکھین گے، اس کا تعلق صرف صوبہ بہار اور بنگال اور یوپی کے ان اضلاع سے ہوگا، جہان دائمی استمراری بندوبست ہے، کیونکہ دوسرے صوبہ کے حالات کی مجھکو صحیح اطلاعات نہین ہین،

بنگال و بہار کے متعلق جہان تک میرے معلومات کا تعلق ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ ۱۲ اگست ۱۷۶۵ء کو مغل حکومت نے کمپنی کو جب اس شرط پر دیوانی عطا کر دی کہ وہ ۲۶ لاکھ سالانہ دربار مین داخل کیا کرے، اور ۵۳ لاکھ روپیہ نواب مرشد آباد کو سلطنت کے فوجی اخراجات وغیرہ کے لئے ادا کیا کرے، تو اس وقت یہان کی زمین رعایا کے ساتھ بندوبست تھی، چاہے اسکی شکل شاہی وقت سے نمبر ا سے لیکر نمبر ۳ تک کی ہو، یا نمبر سات کی ہو، ان کل صورتون مین رعایا مالک ٹھہرتی ہے، اور آئین اسلامی کی رو سے بحیثیت مالک کے ان کو اس کا حق حاصل تھا، کہ وہ بیع کرین، بارِ رہن رکھین، اجارہ پر دین، یا وقف کرین، اور مورث کے مرنے بعد اپنے قانون ارث کے مطابق اوس کو تقسیم کر دین،

برطانوی ہند کے حدود مین انعام مخلد کی حیثیت مغل حکومت کی جانب سے بہار و بنگال کے زمیندارون کو کسی زمین پر حاصل تھی یا نہین؟ یہ میرے علم مین نہین ہے، اگر ایسا ہو تو انعام مخلد کے محدود رقبہ مین مالکانہ حیثیت ان کی شرعًا ثابت ہوگی، اور اس انعام مخلد کی حیثیت والی زمین کو ان سے لیکر جس نے کاشتکاری کا حق حاصل کیا ہوگا، اسکی حیثیت نمبر ۲ کی ہوگی، اور وہ مالک اس زمین کا نہین ہوگا، جیسا کہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے معلوم ہو چکا ہے، کہ نقدی لگان پر دوسرے کی زمین مین کاشتکاری کرنے سے وہ کاشت کا مالک نہین ہوتا ہے،

رہی نمبر ۵ کی زمین جس کو شرعی اصطلاح مین "اراضی مملکت" یا اراضی حوز" کہتے ہین یعنی

حکومت کی زمین جس کی ہمارے صوبہ بہار مین ایک صورت "خاص محال" کی ہے، حکومت اس کو بقید مدت بندوبست کرتی ہے، اور ختم مدت پر پھر اسکا بندوبست یا تو سابق شخص کے ساتھ کرتی ہے، یا دوسرے کو دیدیتی ہے، اس صورت مین رعایا کی ملکیت کا فتوی نہین دیا جا سکتا، ہر ہان شرعی اصول پر یہ کہا جا سکتا ہے، کہ حکومت کو بندوبست کی تجدید اسی کے ساتھ کرنی چاہئے، اور اس سے زمین لے کر دوسرے کو دینا نہین چاہئے،

بہرحال آج جن زمینون کو صوبہ بہار مین موروثی کہا جاتا ہے ۱۷۶۵ء مین یہ سب کی سب رعایا کے ہاتھ مین یا تی نوعِ کان خراجی حیثیت سے تھین، اس بنا پر وہ سب کی سب رعایا کی یعنی کاشتکار کی ملکیت تھین، جس مین شرعًا اس کو ہر طرح کے مالکانہ تصرف کا حق تھا، کمپنی رعایا سے مالگذاری وصول کرتی تھی، اور وصول کرکے حق مقررہ کو ادا کرتی تھی، باقی سے خود منتفع ہوتی تھی، لیکن عملًا کمپنی کو مالگذاری کی وصولی مین مشکلات اور دقتون کا سامنا رہتا تھا، اور اکثر خسارہ اور گھاٹا ہوتا تھا، اور کمپنی کو نقصان اٹھانا پڑتا تھا،

اس سلسلہ مین کمپنی نے مختلف اوقات مین مختلف کوششین کین، لیکن اکثر و بیشتر عملًا کمپنی کو مالی نقصان ہوتا رہا، یا اگر مالیہ بالکلیہ اور پورا پورا کبھی وصول بھی ہوا، تو نہایت تشدد اور ظلم و عدوان کے ساتھ ہوا، اس بنا پر کمپنی نے مناسب سمجھا کہ زمینداری سسٹم قائم کیا جائے، اور زمیندارون کو اس کا پٹہ دیدیا جائے، چنانچہ کمپنی نے متعدد مرتبہ اس کا تجربہ کیا، اور زمیندارون کے ساتھ محدود مدت کے لئے پٹہ کیا، پھر لے لیا، پھر پٹہ کیا، پھر انقضاے مدت پر لے لیا، تا آنکہ زمیندارون کے ساتھ انتہائی مالگذاری پر ۱۷۹۳ء مین آخری پٹہ اور بندوبست اس اصول پر کیا گیا، کہ ایک سو دس روپیہ جو شاہی مالگذاری رعیت کے اوپر ہے، اس مین سے زمیندار دس روپیہ اپنا حق وصولی لے کر ایک سو روپیہ زمیندار گورنمنٹ کو دے گا،

یہ آخری تجربہ کامیاب ثابت ہوا، اور زمینداروں کے ذریعہ کمپنی کو پورا مالیہ وصول ہونے لگا، تو کمپنی نے پارلیمنٹ سے استصواب کرکے پورے دس سال کے بعد ۱۷۹۳ء مین اس بندوبست کو دائمی اور استمراری کرنے مین فائدہ سمجھا، چنانچہ اس کے متعلق ۱۷۹۳ء مین اس بندوبست کے دائمی اور استمراری ہونے کا اعلان کیا گیا، اور زمینداری سسٹم بنگال و بہار مین ہمیشہ کے لئے مضبوط بنیاد پر قائم ہوگیا، اور حکومت کے اس اقرار کی وجہ سے کہ "حکومت نے اس وقت جو مالگذاری مقرر کی ہے، اس مین آیندہ اضافہ نہین کرے گی، اور نہ ان کو اب آیندہ اس بندوبست سے بے دخل کرے گی، ہان زمینداروں کو یہ لازم ہوگا، کہ وہ وقت پر مقررہ مالگذاری ادا کیا کرین، ورنہ ان کی زمینداری نیلام کردی جائیگی" زمینداروں کو اطمینان ہوگیا،

اس اعلان مین جہان زمینداروں کے متعلق یہ اقرار تھا، رعایا کے متعلق بھی اسمین ایک دفعہ یہ تھی، کہ حکومت کو اختیار ہے، کہ رعایا کے حقوق کی حفاظت کے لئے جب ضرورت سمجھے گی، قانون بنائے گی

جہان تک میرے معلومات کا تعلق ہے، زمینداروں سے رعایا کے متعلق اس امر کا معاہدہ بھی تھا، کہ زمیندار رعایا سے ان حقوق کو سلب نہین کرین گے، جو ان کو شاہی زمانہ سے حاصل ہین، اس بنا پر موروثی کاشت جس کا خراج کاشتکار ادا کرتا ہے، بلاشبہہ وہ اس کا مالک ہے، کیونکہ آئینِ اسلامی کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے، کہ خراجی اور عشری زمین کا کاشتکار مالک ہوتا ہے، وہ اسکو بیع کرسکتا ہے، وقف کرسکتا ہے، یعنی وہ سارے تصرفات جو مالک اپنی مملوکہ چیز مین کرتا ہے، وہ اس زمین مین کرسکتا ہے، تا آنکہ اس کے مرنے کے بعد اس مین وراثت بھی جاری ہوسکتی ہے،

ارض الخراج مملوکۃ وکذلک ارض	ارض خراج مملوکہ ہے، اسی طرح عشری
العشر یجوز بیعھا وایقافھا وتکون	زمین بھی، اسکی بیع اور وقف جائز ہے
میراثا۔ کسائر املاکہ (شامی	اور وہ دوسری جائدادون کی طرح
جلد ۳ ص ۳۹۶ باب العشر و الخراج،	میراث ہوگی،

اور غالباً اسی دفعہ اور معاہدہ کی بنیاد پر ۱۸۵۹ء اور ۱۸۸۵ء مین بنگال مین اور ۱۹۳۷ء و ۱۹۳۸ء مین بہار مین رعایا کے حقوق کی حفاظت کے لئے قانون بنایا گیا ہے، اور ان کے حقوق کو منضبط کیا گیا ہے، اور اسی وجہ سے آج تک زمینداروں کو ان قوانین کے متعلق جن کا تعلق کاشتکاروں کے حقوق سے ہے، کوئی اعتراض نہین ہوا ہے، ہان حکومت بہار کے زرعی ٹیکس پر البتہ زمینداروں کو اعتراض ہوا ہے، اور غالباً ان کا مقدمہ اس وقت فیڈرل کورٹ مین درپیش ہے، جس مین زمینداروں کی جانب سے یہ اعتراض کیا گیا ہے، کہ یہ بندوبست دوامی کے خلاف ہے،

بندوبست دوامی کی اگر یہ تصویر صحیح ہے، اور زمینداری کی تاریخی نوعیت وہی ہے جو اوپر عرض کی گئی ہے تو اس سے نہ رعایا کے حقوق پر کوئی اثر پڑتا ہے نہ اس کی ملکیت پر، کیونکہ زمینداروں کو کمپنی سے جو کچھ ملا، وہ وہی ملا، جو مغل حکومت نے ان کو دیا تھا، اور مغل حکومت نے کمپنی کو اپنا حق مالیہ دیا تھا، نہ کہ رعایا کی ملکیت، پس کاشت کی ملکیت جس طرح مغل حکومت مین کاشتکارون کو حاصل تھی، وہ کمپنی کے عہد مین بھی باقی رہی، اور زمینداری سسٹم کے وقت مین رہی، واللہ اعلم بالصواب،

بہرحال صوبہ بہار اور بنگال کے کاشتکاروں کے حقوق کے سلسلہ مین آئینِ اسلامی کی رو سے کاشتکار زمین کا مالک ہے، اور غالباً جناب مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف صاحب قادری داناپوری نے موروثی کاشت کے متعلق جو فتویٰ دیا ہے، اور کاشتکار کو مالک قرار دیا ہے، وہ صوبہ بہار اور بنگال اور ان مقامات سے متعلق ہے، جہان دائمی اور استمراری بندوبست کا قانون ہے، اور حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہ نے موروثی کاشت کے متعلق جو فتویٰ دیا ہے، اور رعایا

کو کاشت کا مالک قرار نہین دیا ہے تو غالباً ان کے پیش نظر ان کے اپنے صوبہ کے حالات ہین، او

ان دونون بزرگون کے فتوون کا تعلق تمام صوبون کی موروثی اور رعیتی کاشت سے نہین ہی،

معارف مین ان دونون بزرگون کے فتادے جس طرح شائع ہوئے ہین، بظاہر

اُن سے اول نگاہ مین یہ مغالطہ ہو سکتا ہے، کہ ایک ہی نوعیت کی زمین پر ان دونون بزرگون کی

رائے اور اجتہاد مین اختلاف ہی، مگر میرا خیال ہی کہ ایسا نہین ہے،

بہرحال بنگال اور بہار کی ایسی زمینون کے متعلق میری رائے مولنا دانا پوری دام مجدہٗ

کے فتوی کے ساتھ ہے، اور مجھکو اس سے اتفاق ہے، مگر اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو، کہ مولنا

ممدوح کے استدلال سے بھی مجھکو اتفاق ہے، میرے نزدیک مولنا موصوف جس نقطۂ نظر سے موروثی

کاشت کو کاشتکار کی ملکیت قرار دے رہے ہین اس مین ایسی باتین آگئی ہین، جو شرعاً صحیح نہین ہین،

مثلاً یہ کہ:-

"قانون نے ملک و حقوق کا ایک فیصلہ کیا، ملک کے باشندے بجبر یا بخوشی اس قانون پر

رضامند ہوگئے"

اس کا مطلب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ جناب مولنا یہ فتوی دے رہے ہین، کہ ایسی صورت

مین جبکہ حکومت غیر اسلامی ہو، اور اوس کے قوانین کو ہم بدل نہ سکتے ہون، بلکہ بجبر یا بخوشی اس کے

ماننے پر مجبور ہون تو ہم کو اوس کے قانون کو تسلیم کر لینا چاہیئے، اور جائز مان لینا چاہیئے،

لیکن ہم ادب سے عرض کرینگے، کہ اگر زمین کے متعلق بغیر بلحاظ شرعی قوانین کے موجودہ

حکومت کے ہر فیصلہ کو جائز تسلیم کر لینا، اصول ٹھہرا لیا جاے تو اشکال یہ سامنے آتا ہے، کہ موجودہ

حکومت کے آئین مین زمین کے متعلق جہان بہت سے دیگر قوانین ہین، یہ قانون بھی ہے، کہ زمین کا

مکفول کرنا صحیح رہن بالانتفاع جائز اور درست ہے، زمین کی مالگذاری اگر قسط کے موافق ادا نہ

کیجائے، تو قانوناً سود دینا لازم وغیرہ وغیرہ تو کیا ان سب کو جائز تسلیم کر لیا جائے گا حالانکہ رہن

بالانتفاع کو مولنا ممدوح اسی فتوی مین ناجائز قرار دیتے ہین، اور تحریر فرماتے ہین:-

"رہن جائز ہے، مگر اس سے انتفاع ناجائز ہے"

اور اس رہن بالانتفاع کے عدم جواز پر مولنا ہی کے الفاظ مین اس کے جواز پر کوئی عذر

پیش کرے، تو غالباً مولنا اوسکو بے محل سمجھین گے،

"کیا غیر اسلامی ملک مین جہان قانون مسلمانون کے اختیار مین نہ ہو، وہان یہ فتوی

دینا جائز ہے، کہ اس ملک کے قانون کے موافق زمین سے کسی طرح کا انتفاع حاصل کرنا

مسلمانون کے لئے جائز نہین ہے، کیا اس طرح کی کوئی نظیر موجود ہے!"

بہرحال موقع استدلال مین یہ اصول میرے نزدیک صحیح نہین،

اسی طرح مولنا کے اس استدلال سے بھی مجھکو اتفاق نہین ہے، کہ

"مسئلہ شرعی یہ ہے، کہ غاصب کے فعل سے شئ مغصوب مین زیادہ ترقی ہو جائے، اور

زیادہ نفع کا ذریعہ بن جائے، تو غاصب اس کا مالک ہو جاتا ہے، اور مغصوب منہ اس کا

مالک نہین رہتا، تو کاشتکار جس نے حکومت اور زمیندار دونون کی اجازت کے بعد اپنی

محنت اور مال سے زمین کو اس قدر ترقی دی ہی اسمین اسکی ملکیت کیون نہ ثابت ہوگی"

میرے نزدیک یہ قیاس صحیح نہین ہے، اس لئے کہ مال مغصوب مین ہر قسم کی زیادتی یا ہر طرح

کے نفع کی زیادتی سے مال مغصوب کا غاصب مالک نہین ہو جاتا ہے، مثلاً ذیل کی صورتون مین زیادتی

اور نفع ہونے کی بنا پر مال مغصوب کا غاصب مالک نہین ہوتا ہے،

(۱) لو غصب ارضاً فیها زرع | اگر کسی ایسی زمین کو غصب کیا جس مین کاشت

او شجر فسقاه الغاصب وانفق علیه | ہریا درخت ہین پس غاصب نے اسکی آبپاشی کی

حتی انتہی بلوغہ (بدائع الصنائع کتاب الغصب (جلد ۷، صفحہ ۱۶۲)

اور اس پر خرچ کیا، یہان تک کہ وہ تیار ہو گئی،

(۲) لو غصب من مسلم خمراً فخللها فلصاحبها ان یاخذ الخل من غیر شیئ لان الخل ملکہ لان الملک کان ثابتاله فی الخمر و اذا صار خلا حدث الخل علی ملکہ و لیس للغاصب فیہ عین مال متقوم قائم لان الملح الملقیٰ فی الخمر یتلف فیھا فصار کما لو تخللت بنفسھا فی یدہ و لو کان کذٰلک لاخذہ من غیر شیئ کذا ھذا (ایضاً)

اگر کسی مسلمان کی شراب غصب کر لی اور اس کا سرکہ بنا لیا، تو اسکے مالک کو بغیر معاوضہ دیئے سرکہ لینے کا حق ہے، کیونکہ سرکہ اس کی ملک ہے، کہ شراب میں اسکی ملکیت ثابت تھی، اور جب شراب سرکہ ہو گئی تو یہ سرکہ اس کی ملک مین ہو گیا، اور اس مین غاصب کا ایسا مال نہین لگا ہے جو متقوم ہو، نمک جو شراب مین ڈالا گیا ہے، وہ اس مین تلف ہو گیا ہے، تو گویا ایسا ہوا جیسے خود بخود سرکہ ہو گیا، اور ایسی صورت مین مالک بغیر معاوضہ کے لے لیگا، ایسی ہی یہ صورت ہے

(۳) لو غصب ثوبا ففتلہ او غسلہ او قصرہ فلصاحبہ ان یاخذ ولا شئ للغاصب لانہ لیس للغاصب عین مال متقوم قائم فیہ (ایضاً)

اگر کسی کپڑے کو غصب کیا پس اسکو بٹ دیا، یا دھویا، یا اوس کو برابر کر دیا، پس اوس کے مالک کو حق ہے کہ اسکو بغیر معاوضہ کے لیلے، کیونکہ اس مین غاصب کا ایسا مال نہین لگا ہے، جو متقوم ہو،

ہان مغصوب پر زیادتی کی صورت مین غاصب مال مغصوب کا مالک اس وقت ہوتا ہے

جب مغصوب مین زیادتی ایسے مال متقوم کی ہو، جس کا عین مغصوب کے ساتھ قائم ہو اور وہ زیادتی مغصوب کے تابع نہ ہو، بلکہ بذاتہ اصل کے درجہ مین ہو،

اور یہ ملکیت بھی غاصب کو اُس وقت حاصل ہوتی ہے جب مالک کو ضمان ادا کر دیتا ہے، اور نہ قبل ادائے ضمان کے اس سے انتفاع حلال نہین ہوتا ہے،

کاشتکاری کی صورت مین کاشتکار کی محنت اور کھاد وغیرہ سے زمین مین جو زیادتی ہوتی ہے یا اس کی حیثیت جو بڑھ جاتی ہے اس سے کھیت کے ساتھ نہ تو مال متقوم کا عین قائم رہتا ہے، نہ وہ زیادتی اصل کے درجہ مین آجاتی ہے بلکہ اسکی حیثیت ہمیشہ زمین کی تابعیت کی رہتی ہے، لہذا اس صورت مین غاصب کو مالک قرار دینا صحیح نہ ہوگا بلکہ بدائع صنائع کی تصریحات کی بنا پر یہان غاصب کی ملکیت کا احتمال بھی صحیح نہین ہوگا، کیونکہ کاشتکار کی کاشتکاری کو مشابہت قریب ان متذکرہ صورتون سے ہے جن مین غاصب مال مغصوب کا مالک نہین ہوتا ہے،

بہر حال یہ ضمنی بات تھی، جو بلا ضرورت بحث مین آگئی، استفتاء کے سوالون کا نمبروار جواب میرے نزدیک یہ ہے،

الجواب

(۱) وہ کاشتکاری جس کو عرف مین موروثی کہتے ہین شرعاً درست ہے، کیونکہ کاشتکار اسکا مالک ہے،

(۲) رہن رکھنا جائز ہے، مگر مروجہ طریق پر جو اس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے، وہ شرعاً ناجائز ہے،

(۳) اس مین وراثت جاری ہوگی، اور تخریج کی صورت یہ ہوگی، کہ مورث کے متروکہ کو سات حصے قرار دیکر، دو دو حصے ہر ایک لڑکے کو دیئے جائین، اور ایک حصہ لڑکی کو دیا جائے،

نوٹ اس مضمون کی عربی عبارتون کا ترجمہ مضمون نگار کے قلم کا نہین ہے، اس لئے اس کی صحت کی ذمہ داری ان پر نہین ہے،

مناقب ذوالنورین

المعروف بہ

بہارستانِ سخن

از

جناب محمد ابو اللیث صاحب صدیقی ایم اے لکچرار اردو، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ،

مجھے عرصہ سے اردو کی پرانی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابین جمع کرنے کا شوق ہے، اسی تلاش مین کبھی کبھی عربی و فارسی کی بھی بعض اچھی چیزین نظر آجاتی ہین، کبھی تو یہ نوادر ذاتی کتب خانون مین ملتے ہین جہان یہ بیشتر اپنے مالکون کی بدمذاقی پر مرثیہ خوان نظر آتے ہین، اور کبھی کباڑیون اور ردی بیچنے والون کے وسیلہ سے ان تک رسائی ہوتی ہے، مجھے حال مین فارسی کی ایک ضخیم قلمی مثنوی ملی ہے، جو کئی حیثیتون سے بہت اہم ہے، یہ کتاب مجھے سید عبدالحلیم صاحب (رجسٹرار آفس مسلم یونیورسٹی) کی عنایت سے ملی جس کیلئے مین ان کا شکرگذار ہون،

یہ مثنوی جس کا نام مناقب ذوالنورین ہے، گیارہ سو اسی قلمی صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، اور ہر صفحہ مین پندرہ شعر ہین، اس حساب سے اس مین سترہ ہزار سات سو اشعار شامل ہین، کتاب کا نام بہارستانِ سخن بھی ہے، جو کتاب کے شروع مین درج ہے، مصنف کے متعلق مین اپنی معلومات آگے عرض کرونگا، سنہ کتابت یا کاتب کا نام تحریر نہین، لیکن یہ نسخہ یقیناً مصنف کا اصلی نسخہ ہے، کیونکہ اس مین بکثرت اشعار پر بار بار اصلاح کی گئی ہے، اس مثنوی کا موضوع حضرت عثمانؓ کے سوانح حیات اور ان کے

کارنامے ہین، اور ضمناً ان ملکون کے حالات اور جغرافیے بھی شامل ہین، جو حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت مین مسلمانون کے قبضۂ اقتدار مین آئے،

مثنوی کا سنہ تصنیف غالباً ۱۳۱۴ھ ہے، یہ تاریخ مثنوی مین ہی ایک حاشیہ پر دی ہوئی ہے، اور غالباً اس کا تعلق مثنوی ہی سے ہے، اگر یہ تاریخ مثنوی سے کوئی تعلق نہین رکھتی تو کم از کم اس سے یہ تو یقیناً واضح ہوجاتا ہے، کہ اس سنہ مین یہ مثنوی مکمل ہوچکی تھی، یہ وہ زمانہ ہے جب فارسی کا انحطاط شروع ہوچکا تھا، اور شاعرون کی توجہ کا مرکز اردو کی بزمِ سخن بن چکی تھی، اس زمانہ مین ایک ہندی نژاد کا فارسی سے یہ شغف کہ سترہ ہزار سات سو شعر کی ایک مثنوی بڑی جگر کاوی سے لکھے، اور بظاہر اس کا کوئی صلہ بھی اُسے نہ ملے، بہر نوع قابلِ تعریف ہے،

داخلی اور خارجی شواہد سے معلوم ہوتا ہے، کہ مصنف کا پورا نام عبدالواحد تھا، ان کے آبا و اجداد سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمۃ کے ساتھ محض جہاد کی نیت سے ہندوستان آئے، ان کا اصلی وطن نوح تھا جو بلخ اور بخارا کے درمیان واقع ہے، ہندوستان آکر دوبارہ محمود کے ساتھ واپس نہ گئے، بلکہ اکبرآباد (آگرہ) کے نزدیک قصبہ دیونانہ مین مستقل سکونت اختیار کرلی، اور پھر اُنھی کے ہو رہے، انکی آل اولاد اب تک اس مشہور قصبہ مین آباد ہے، عبدالواحد کا شجرۂ نسب ملاحظہ ہو،

- ملا عبداللہ
  - مولوی محمد شرف صاحب
    - مولوی فائق
      - مولوی عبدالاحد
        - منشی تفضل حسین
          - ولایت حسین
        - حافظ حسین
          - لاولد
  - مولوی عظیم صاحب شہید
    - مولوی غلام حسین شہید
      - مولوی غلام حسن
        - مولوی حاجی احمد
          - عبدالواحد
            - عبدالوالی
            - مولوی ابراہیم
            - مولوی یعقوب
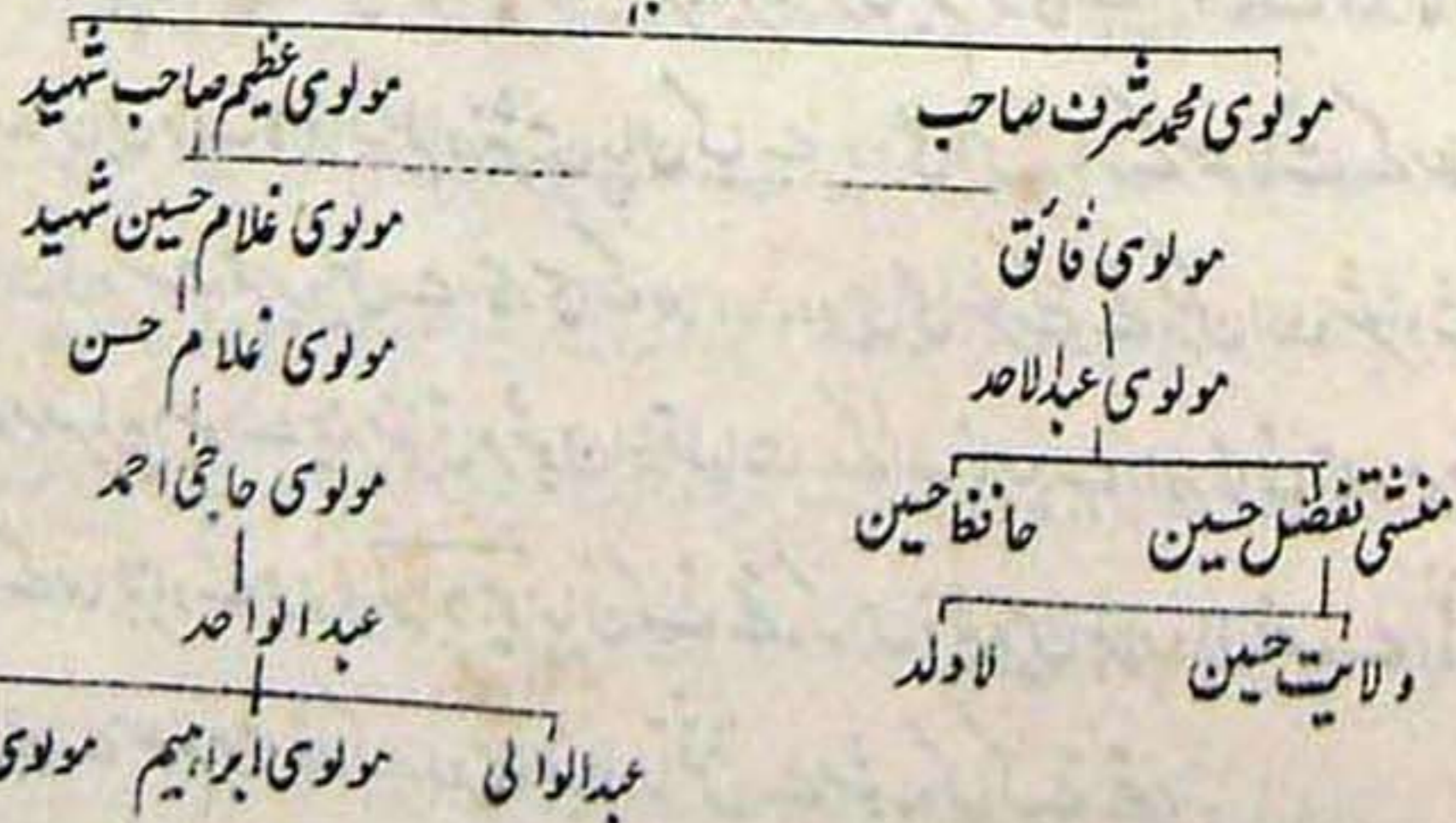
ہندی مسلمانون کی روایتی علم دوستی کا ثبوت بھی اس خاندان مین ملتا ہی، چنانچہ اس شجرہ مین کم از کم مولوی فائق کا نام ایسا ہے، جو مشہور فارسی کتاب انشاے فائق کی وجہ سے عام طور پر متعارف ہی، عبدالواحد صاحب کا کارنامہ آپ کے سامنے ہی،

عبدالواحد صاحب کے والد حاجی احمد صاحب نے پوروہ ضلع اناؤ مین شادی کی، اور پھر وہین آباد ہوگئے، ان کے نئے رشتہ دارون مین مولوی عبدالکریم تھے، جن کو نوابانِ اودھ کی طرف سے کوراپاپور، عمراپور، کرولی، رسوتیا وغیرہ مواضعات بطور جاگیر ملے تھے، چنانچہ اس جاگیر کا کچھ حصہ عبدالکریم صاحب کی نسبت سے حاجی احمد صاحب کو اور ان کے بعد ان کے بیٹے عبدالواحد صاحب کو ملا، اور یہی جاگیر ان لوگون کے بسر اوقات کا ذریعہ تھی،

مثنوی مین اندرونی شہادتون سے پتہ چلتا ہے، کہ انھون نے صرف نواب محمد علی خان صاحب والیِ ٹونک کی ریاست مین کچھ عرصہ ملازمت کی، اور باقی عمر رئیسانہ شان اور وضع سے پوروہ مین ہی گزاردی خارجی بیانات سے یہ بھی معلوم ہوا ہی کہ کچھ دنون راجہ بنارس سے بھی تعلق رہا،

مثنوی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ علوم متداولہ مین اچھی دسترس تھی، فارسی ادب سے خصوصی دلچسپی تھی، جس کا ایک ثبوت خود یہ سترہ ہزار شعر کی ضخیم مثنوی ہے، فتوحاتِ عہد عثمانی کے سلسلہ مین جن ممالک کا جغرافیہ نظم اور نثر مین بیان کیا ہے، وہ بھی اس زمانہ کے معلومات کے مطابق اور ان کی وسعتِ علم پر دلیل ہے، فارسی کے علاوہ اردو مین بھی شعر کہتے تھے، لیکن اردو شعر و شاعری کا تمام سرمایہ (سوائے چند متفرق مرثیون اور قطعات کے) اب ناپید ہے، اور غالباً تباہ ہوچکا ہی، ان کے صاحبزادے مولوی محمد ابراہیم بیان کرتے تھے، کہ اس ذخیرہ مین ہزارون قصیدے اور غزلین تھین جن سے معلوم ہوتا تھا، کہ اردو مین صبا اور آتش سے مشورہ کیا کرتے تھے،

مثنوی ذی النورین مین حضرت عثمانؓ کی سوانح اور سیرت کے تمام پہلوؤن پر نظر ڈالی ہی، جگہ جگہ مسئلہ خلافت پر بھی اہلِ سنت والجماعت کے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی ہے، البتہ بعض مواقع پر انکا لہجہ حد درجہ تلخ ہوگیا ہے، جہان خلفا پر تبرّا کرنے والون کا ذکر کرتے ہین، وہان ان کا قلم بے اختیار ہو جاتا ہی، واقعات کو روایات کا عنوان دیکر موقع بہ موقع بیان کیا ہے، ان روایات سے قطع نظر حسبِ ذیل عنوانات علیحدہ علیحدہ قائم کرکے طبع آزمائی کی ہی،

(۱) حمد (۲) نعت (۳) ذکرِ معراج (۴) منقبتِ اصحاب رسول (۵) مدح نواب محمد علی خان بہادر (۶) عرض حال (۷) آغاز داستان و ذکر فردوسی (۸) بیان انساب حضرت عثمانؓ (۹) بیان حلیہ (۱۰) شیفتہ شدن حضرت عثمانؓ بر گلِ گلشن نبوت (۱۱) مناقب و فضائل (۱۲) وجوہات ملقب شدن بہ لقب ذوالنورین (۱۳) ذکر عبادات و کیفیت صوم و صلوٰۃ (۱۴) خریدن بیر رومہ و دادن فی سبیل اللہ (۱۵) بیان اثبات خلافت حضرت عثمانؓ از احادیث جناب رسول اکرم (۱۶) فرق در خلیفہ و بادشاہ (۱۷) روایت دیگر در بیان آنکہ کسے طعن خلافت در شان حضرت عثمانؓ کند گویا طعن در جمیع مہاجرین و انصار کردہ باشد، و دیگر روایات در اثباتِ خلافت حضرت عثمانؓ (۱۸) شہادت حضرت عمرؓ و جلوس حضرت عثمانؓ (۱۹) جمع نمودن قرآن مجید (۲۰) فضیلت حضرت عثمانؓ (۲۱) ذکر شہادت حضرت عثمانؓ (۲۲) ذکر بلاد و امصار مفتوحہ زمانِ خلافت حضرت عثمانؓ (۲۳) فہرست ممالک و امصار مذکور الصدر (۲۴) فتح ہمدان در سال چہاردہم ہجرت در ابتداے ایام خلافت بیان جغرافیہ ہمدان، فتح رے و جغرافیۂ رے وغیرہ (۲۵) تعریف حضرت معاویہؓ و قول حضرت علیؓ در روایت در مسئلہ خلافت (۲۶) بیان شہادت حضرت عثمانؓ (۲۷) بیان خطبات حضرت عثمانؓ (۲۸) خاتمہ بر مدح نواب محمد علی خان (۲۹) مناجات۔

اب بطور نمونہ مثنوی مین سے بعض عنوانات سے اشعار پیش ہین :-

حمد:-

بنام خداوند پاک صمد — خداوند خلق از ازل تا ابد
خداوند ارض و سما یگان — خداوند ہر شے کہ ہست اندران
خداوند ہر ابتداے کہ ہست — خداوند ہر انتہاے کہ ہست
خداوند داناے راز نہان — خداوند داراے ملک جہان
خداوند اصحاب راز و نیاز — خداوند ارباب سوز و گداز
خداوند عباد مصحف بدست — خداوند رندان بادہ پرست
خداوند شاہان فرخندہ فال — خداوند درویش شوریدہ حال
زمین را سکون چرخ را سیر از وست — زمین و زمان ہر دو را خیر از وست
کلام خوشش آب و آتش کن است — سمندر بہ ذکرش در آتش خوش است

مناجات:-

خدایا بہر شے توانا توئی، — چہ عیب از تو پوشم کہ دانا توئی
سراپا منم عیب و تو غیب دان — چگونہ ز تو عیب ماند نہان
بجز فعل زشت و رہ ناقبول — چہ سر زد شود از ظلوم و جہول
بجرمم گذشتند لیل و نہار — نکردم پے آخرت ہیچ کار
بدم لیکن از بندگان توام — یکے از پرستندگان توام
تو دانی کہ از شر نفس شریر — چہ ناکردنی کردہ ام اے خبیر
باظہار آن شرمم آید ہمی — کہ آگہ ز رازم شوند آدمی
شکستہ دل و بستہ چشم امید — ز عصیان سیہ روی و موی سفید

فدایت شوم اے خداے زمین — کہ تشریف اسلام دادی بمن
چہ مسلم کہ از امت مصطفیٰ — زہے مصطفیٰ کہ افسر انبیاء
شفیع دو عالم رسول من است — مطیعش ز نار سقر ایمن است

اس کے بعد نعت، ذکر معراج، مناقب اصحاب رسول کے عنوانات ہیں، پھر مدح نواب محمد علی خان کے تحت میں لکھتے ہیں:-

سحاب گہر بار دریا دلا — مہ اوج ہمت فلک منزلا
خدا باد یاور بہر کار تو، — پسند خدا باد کردار تو
بلندی ایوان زکیوان فزون — ترقی اقبال از حد برون
دعاے تو بادا بحق مستجاب — بحق جناب رسالت مآب
ز گنج و زرت خانہ آباد باد — ز اولاد صالح دلت شاد باد
دلم زلہ بردار خوان تو باد — زبان و لبم مدح خوان تو باد
معین تو باشد خداے زمان — بحکم کمند تو آید جہان
ز علم و عمل نیستم حرف یاد — ہمہ خرمن عمر من شد بباد
نہ از منشیانم نہ از شاعران — بحکم تو می برکشایم زبان
درین صورت این معنی دلپذیر — رسد از دل من اگر بر حریر
ہمان از درستی بدانم درست — ہمانا کہ از یمن اقبال تست
بحکم تو شمشیر کلکم بدست — کہ ملک سخن را کنم بندوبست
چو عیبم درین کار ظاہر شود — کہ طبعم ز اصلاح قاصر شود
باصلاحش از عیبہا پاک کن — دل خستہ ام را طربناک کن

ولیکن بجائے کہ دارند کار | چنین شاعران وقائع نگار

کہ ہریک ازین پاست سعدی مقام | منم ہیچ در نظم و نثر و کلام

دگر مرد سلطان محمود خان | کہ از ابر کلک است گوہر فشان

سوم مرد دانش محمد حسن | کہ کلکش بود شمع در انجمن

چو عبد الملک گرم گفتن شدہ | بملکِ معانی ملک آمدہ

دگر عالمے ذوفنون پُر حکم | مسمی بہ عبد اللہِ ذی کرم

کہ گشت آن ملقب بہ مولائے ما | سخن زد رسیدہ بہ اوجِ سما

دگر از ہجوم سخن پروران | کہ پر بزم تست از ہنر گستران

بو احد چہ تاب سخن گستری | کہ او نابلد ہست از شاعری

ہمہ شعر گویند از علم خویش | منم بذلہ سنج از دلِ جان ریش

بآنان خرد گستری رہبر است | مرا از جنون حالِ دل ابتر است

گہربار شد طبع شان متصل | دہانم فشاندہ ہمہ لختِ دل

زیادہ ازین عذر عجزم مخواہ | کہ خود می شناسی بفضل اللہ

بحکم تو اے خسروِ کامگار | چون این پیکرے را بہ بستم بکار

زچندین کتب ہائے بے کم و کاست | درین نسخہ بنوشتہ ام راست راست

فتوحاتِ عثمان عالی نژاد | قبولِ دلِ ہر ہنرمند باد

بیا ساقیا ساغر جانفزا | بمن دہ کہ دارم سر مدعا

مگر صدق و اسلام یابد وقوع | کنم داستان مبارک شروع

ان اشعار مین نہ ممدوح کی تعریف مین زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہین نہ معاصرین

پر چوٹ کی ہی، نہ اپنے زعم مین اپنی شاعری اور مثنوی کے سامنے شعر و سخن کے شہ کارون کو ملیامیٹ کیا ہی اور نہ اظہار عاجزی مین خود کو بالکل تحت الثری تک پہنچایا ہے، اور نہ کہین محض طول کی خاطر کسی مضمون کو پھیلا کر بیان کیا ہی اور نہ کہین اتنے اختصار سے کام لیا ہی کہ پڑھنے والا گھبرا جائے، اس حیثیت سے یہ تمہید اس عہد کی شاعری مین ایک نادر نمونہ ہے،

آغاز داستان مین حضرت عثمانؓ کے حالات اور واقعات شروع کرنے سے پہلے فردوسی کا ذکر کیا ہی اور ناظرین مثنوی سے درخواست کی ہی کہ وہ فردوسی کے شاہنامہ کی طرف متوجہ ہون تو اس مثنوی پر بھی ایک نظر ڈال لین، کیونکہ فردوسی

بکاؤسیان مدح گو یکجان | زمین کیان راکند آسمان

نہ شمشیر رستم نفس میزند | دم از شورِ بانگ جرس میزند

کند ناز بر مدحِ گبران نقط | بشانِ صحابہ کند رہ غلط

۔۔۔۔۔۔۔۔

بیا اے نسیم سحر می فسوس (؟) | بپیمائے ببر بر[1] سخنگوی طوس

کہ دادی چرا دین بباد این قدر | بمدحِ کیان کردی این شور و شر

با تش پرستان دہی عز و شان | بگبران غلامی شدی ویرآن

بشانِ صحابہ چنین گفتگو | تفو بر تو اے مستِ خذلان تفو

ازین تحفہ مدحِ تو خوشنود باد | کلامِ تو ہم بر تو مردود باد

۔۔۔۔۔۔۔۔

کتاب کے مضامین بیان کرتے ہوے لکھتے ہین :-

[1] معارف: بر، بمعنی نزدیک،

زانساب او گویم اول خبر   که آمد بپاکی چو سلک گہر

فضائل کنم باز درج کتاب   ازان جانشین رسالت مآب

پس گویم از حق پسندیدنش   مشرف باسلام گردیدنش

پس با تو گویم دگر گونہ باز   که امر خلافت باد گشت باز

کنم بعد ازان فتحہا ہی رقم   که در عہد پاکش شدہ یک قلم

اس کے بعد حضرت عثمانؓ کا شجرۂ نسب بیان کرتے ہوئے آپ کا حلیہ بیان کرتے ہیں اس سلسلہ میں متعدد روایات لکھی ہیں، دو روایتیں ملاحظہ ہوں،

روایت

اسامہ روایت کند این چنین   که یک بار آن سید مرسلینؐ

بدستم یکے ظرف لحم از کرم   فرستاد با لطف و فیض اتم

بنزدیک عثمانؓ صاحب حیا   که چون مہر میداشت رویش ضیا

چو در آمدم پیش آن کان جود   بدیدم که با زوجہ اش بنشستہ بود

ہمان دخت پیغمبر پاک دین   که نامش رقیہ بود بایقین

ندیدم ازان ہر دو روشن روان   دگر مرد و زن خوبرو در جہان

گہے سوے عثمان کشادم نظر   گہے سوے آن بنت خیر البشرؐ

که در حسن میداشت شان بلند   چو خورشید بر آسمان بلند

چو من باز گشتم ازانجا بگاہ   سوے بارگاہ رسالت پناہ

بفرمود آن سرور دین طراز   که تو پیش عثمانؓ برفتی فراز

بگفتم بلے گفت خیر البشرؐ   که زوجین دیدی زشان خوبتر

بگفتم که در حسن افزون زشان   نه زوجین دیدم دگر در جہان

گہے می کشادم در آنجا نظر   بسوے رقیہ خجستہ سیر

گہے سوے عثمانؓ والا گہر   که احسن ازو نیست شوے دگر

ایک دوسری روایت ملاحظہ ہو،

از ابن عبید است نقل این کلام   که روزے بعثمان فرخندہ کام

نگاہم فتادہ دمے کز وقار   ہمین بود بر پشت اشتر سوار

فرو ہشتہ بر چہرہ زلف سیاہ   که از پیچ او کفر گشتہ تباہ

یکے جامۂ زرد کردہ ببر   کز و شمس بودہ خجل ہم قمر

ندیدم جمیلے درین چارسو   نکوتر ازان مرد فرخندہ رو

اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے قبول اسلام سے متعلق بعض روایات ہیں، پہلی روایت یہ ہے:

ز زید ابن رومان شنو این خبر   که مبعوث گشتہ چو خیر البشرؐ

فرستاد یزدانش بر کائنات   عیان کردہ بر تشنہ آب حیات

پس این مرسل از کردگار مجید   ہمہ را نکو خواہ آمد پدید

ہمہ را سوے پاک پروردگار   باسلام می خواند لیل و نہار

نہانی ہدایت ہمہ گفت فاش   چو خورشید بر خلق شد نورپاش

جوان مرد عثمانؓ دولت پناہ   دگر طلحۂ آن ابن عبد اللہ

برائے تجارت بعزم تمام   ہم رفتہ بودند در سمت شام

چو در مکہ واپس رسیدند شاد   خرد مند صدیقؓ فرخ نہاد

ازانجا ہمراہ خود بردشان   حضور جناب شہ مرسلان

در آن وقت حضرت رسولِ خدا — بشان عرض فرمود اسلام را

پس خواند قرآن رسولِ ودود — ز حق ہاے اسلام واقف نمود

بشان وعدہ فرمود تکریم را — ز درگاہِ خلاقِ ہر دو سرا

باسلام ہر دو مشرف شدند — با یمان و پاکی معرف شدند

ہمان وقت عثمانؓ فرخندہ دین — حضورِ نبی کرد عرض این چنین

کہ اے شاہ اقلیمِ کون و مکان — چو از شام گشتم بدین سو روان

رسیدم بیک منزلِ ناگہان — کہ بد بین زا فساد و یگر معان(؟)

چو خفتم در آنجاے فرحت فزا — شنیدم کہ می کرد ہاتف ندا

کہ اے خفتگانِ بآرام و ناز — بیائید (؟) از روے صدق و نیاز

کہ مہرِ نبوت بنور شیوع — نمود است از برجِ مکہ طلوع

جنابِ محمد رسولِ انام — علیہ الصلوٰۃ و علیہ السلام

جہان را بہ مہر و تلطف تمام — بخواند باسلام و دار السلام

رسیدم چو در مکہ با عیشِ دل — شنیدم ز خیلِ کسان متصل

کہ حضرت بہ حلم و کرم گستری — نمود است دعواے پیغمبری

ہمون وقت آواز ہاتف مرا — بصدقِ نبوت بشد رہنما

کہ در خدمت آمدم ای رسول — نمودم بصدقِ دل ایمان قبول

اب کتاب کا وہ حصہ دیکھیے جہان سے فتوحاتِ عہدِ عثمانی کا بیان شروع ہی، پہلے نثر مین ایک مختصر سی تمہید ہے،

"ذکر بلاد و امصار مفتوحہ زمان خلافت حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالی عنہ

کہ فتوح آن بردست غازیان شہادت گرا و مجاہدین نصرت لوا واقع شدہ آن دو قسم است، قسم اول آن کہ بعد شہادت حضرت فاروق اعظمؓ بعض اہلِ بلدان عہد خود را نقض نمودند، حضرت ذی النورین در تجدید فتح آن بلاد سعی بلیغ مانند قتال مرتدین در اول زمان خلافت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ بتقدیم رسانیدہ آن بلاد را در حیطۂ تصرف اہل اسلام در آورد و قسم ثانی آن ممالک و اقالیم کہ از قدیم مقبوضہ کفار لئیم بودند، غزات اسلام حسب الفرمان جناب خلافت مقام لشکر کشیدہ بعض را عنوۃً و بعض را صلحاً مفتوح ساختند، اسامی آن بلاد مفتوحہ کہ اولاً در نثر و ثانیاً بنظم نوشتہ این است، ہمدان، آذربائیجان، رے، موقان، آرمینیہ، سماط، بلنجر، دربند، بنار زوار، خلاط، گاززون، طرابلس، طنجہ، سبیطہ، اصطخر، دارابجرد، شیراز، شہر خور، کرمان، طبرستان، جرجان، فارس، خراسان، سیستان، طبسین، قہستان، چوپین، بحرآباد، بیہق، بازخرز، خواف، اسفرائین، ولایت جہان، ملک ارغیان، اقلیم نسا، ابیورد، سبزوار، حصار سنجان، طوس، نیشاپور، سرخس، ہرات، بادغیش، بوشنج، مروشاہجان، طالقان، فاریاب، غور، غرجستان، بلخ، طخارستان، ذات الصوار، مرات متعلقہ روم، افریقہ، اسکندریہ، قیروان، اندلس، جزیرہ قبرس، قلعہ سفید، سیرجان، مازندران، مصیصہ، بلاد مضافات قسطنطنیہ، قرطبہ، حصن وابق، شروان، زرنج، شاروز، قریہ طویلہ رستم، داور، کشمس، کابل، زابلستان، غزنین،

اس کے بعد نظم مین یہی نام لکھے ہین، لیکن ہر نام کے بعد صراحت کر دی ہے، کہ اس کا صحیح تلفظ کیا ہے، اور کہان واقع ہی،

سب سے پہلے فتح ہمدان کا ذکر ہے، ہمدان حضرت عمرؓ کے عہد مین ہی فتح ہو گیا تھا، لیکن ہمدانیون نے اپنے عہد کو پورا نہین کیا، اور حضرت عمرؓ کی وفات کے چھ ماہ بعد ہی بغاوت کی، چنانچہ حضرت

عثمانؓ نے مغیرہ بن شعبہؓ کو ان لوگون کی سرکوبی کے لئے تعینات کیا، اور مغیرہؓ نے اسے دوبارہ فتح کیا، اس سلسلہ مین مغیرہ بن شعبہؓ کے بھی خاص خاص واقعات اور حالات نظم کر دیئے ہین، اور ہمدان کا جغرافیہ بھی بیان کیا ہے، اس واقعہ کے بعض اشعار یہ ہین،

ز رود ادہمدان وہمدانیان — چنان گفت گوینده خوش بیان

کہ مفتوح شد اول آن بوم وبر — بدست حذیفہ بعہد عمرؓ

ببست ویکم سال ہجرت ورا — کشادند با تیغ اہل غزا

ببست ودوم سال بار دگر — زسکان ہمدان چو برخاست شر

کہ عہد حذیفہ شکستند شان — بجد (؟) تمرد نشستند شان

نعیم مقرن گو چیره دست — برفت و سرکبر ایشان شکست

بآن جند مخذول کرده جہاد — دگر بار آن بلده را بر کشاد

سوم بار چون آن گروه شریر — در ایام عثمانؓ آفاق گیر

کہ شش ماه مدت شده بود سر — زعہد وفات جناب عمرؓ

شکستند پیمان و باغی شدند — براه تمرد قدم برزدند

ز بزم اطاعت برون تاختند — برزم آوری رایت افراختند

نہ پنداشتند آن گروه ضلال — کہ بشکستن عہد آرد وبال

.. ..

بفرمان عثمانؓ فیروز مند — مغیره بنؓ شعبہ شد کاربند

چو سر صرروان گشتہ با دین جنود — رسید اندران شہر و فتحش نمود

اس کے بعد مغیرہ بن شعبہؓ کی زندگی کے حالات ان کی وفات تک تحریر کئے ہین، اور

پھر بیان جغرافیۂ ہمدان شروع کیا ہے،

تو از تیغ دانان اقلیم دہر — چنان گفتہ اند حال آن طرفہ شہر

کہ ہمدانست شہر قدیم البنا — بسیرابی وخرمی جانفزا

بنا کرده ہمدانش اہل فتوح — د ابن علوج ابن سام ابن نوح

زہمدان چو بود آن نگارین چمن — ازین رو بنامش سرود انجمن

بگویند بعضے کہ جمشید شاه — بنا کرد آن را بعہد فر و جاه

ہوایش بود سرد و فرحت نشان — زبالائے کوه است آبش روان

بتوصیف آن کشور چون ارم — چنین گفت دانائے فرخ شیم

کہ سکان آن باغ چو طوطیان — بنطق اند شیرین ترین کسان

بخلق اند نیکو ترین انام — ہمہ اہل آن شہر عشرت مقام

.. ..

بگفت است راوی یزدان پرست — کہ اثنا عشر فرسخش دور ہست

ہزار و دوصد چشمہ باشد روان — باطراف آن شہر جنت نشان

.. ..

سخن کوتہ آن شہر برگشتہ عہد — بسعی بن شعبہ فرخنده جہد

مجدد بتائید حق بالیقین — بشد داخل ملک اسلام ودین

اب مین اس کتاب سے صرف ایک اقتباس اور پیش کرونگا، اس سے اندازہ ہوگا کہ روایات کے انتخاب مین مصنف نے صحت کا کس قدر لحاظ رکھا ہے، یہ اقتباس واقعہ شہادت حضرت عثمانؓ کے بعد کا ہے، اس سلسلہ مین بہت سی روایتین عام طور پر مذکور ہین، مثنوی مین بھی کئی روایات

ان کے متعلق مصنف نے لکھا ہے،

الا اے خردمند دانش نصاب — بانصاف بنیندۂ این کتاب

در احوالِ قتلِ امامِ رشید — سوم جانشینِ رسولِ مجید

من از معتبر نامہ ہاے گزین — روایاتِ چیدہ صداقت قرین

فراہم درین نامہ در کردہ ام — بسا نثر در نظم آوردہ ام

روایاتِ دیگر کہ بودہ ضعیف — بمیزانِ دانش نمودہ خفیف

نکردیم آن را درین نامہ نقل — کہ ناپسندیدہ نزدیکِ عقل

حضرت عثمانؓ کے کارنامے تاریخون مین عام طور پر مذکور ہین، نثر مین ان پر کتابین بھی ہین، لیکن کسی ہندوستانی نے اس سے پہلے یا اس کے بعد اپنی زبان یعنی فارسی مین ان تمام واقعات کو اس شرح و بسط کے ساتھ نظم نہین کیا ہے، کم و بیش اٹھارہ ہزار اشعار کا لکھنا جس مین ہزارون تاریخی واقعات و روایات، شہرون اور ملکون کے نام، جغرافیے، تہذیب اور معاشرت کے نکتے، خلافت اور بادشاہت کے قضیے ہین پھر اس روانی کے ساتھ بڑی جگر کاوی کا کام تھا، جسے عبدالواحد نے اس خیر و خوبی سے انجام کو پہنچایا،

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا عبدالواحد اردو مین بھی شعر کہتے تھے، اسی فارسی مثنوی کے شروع مین ان کے نام سے ایک مرثیہ لکھا ہے، اس کے چند بند یہ ہین،

مرثیہ دربیان شہادت حضرت امام قاسم :-

جب جلوۂ سپہر سے نکلی عروسِ صبح — نوبت بجی سلامی کی بولے خروسِ صبح

خوابیدون کو ہوی دمِ عیسیٰ نفوسِ صبح — اٹھا ہر ایک شخص ہوا جب جلوسِ صبح

گیتی فروغِ نور سے معمور ہو گئی

ٹھنڈی ہوا سے شمع بھی کافور ہو گئی

پھیلا جو نور چرخ پہ خاتون صبح کا — لیلیٰ شب کا رنگ دھوان بن کے اڑ گیا

نورِ سحر بھی وقتِ سحر ہو گیا ہوا — گل ہو گئے چراغ تو بلبل نے دی صدا

جاگے وہ جس کو شوق ہو منہ ہاتھ دھونے کا

خورشید آفتابہ لے آیا ہے سونے کا

. . . .

دسوین ہوئی جو ماہِ محرم کی مستقر — نور و زتک تو جشن ہوا جم کے چرخ پر

آخر فساد طول ہوا قصہ مختصر — برپا بجائے رنگ ہوئی بزم سربسر

کھولے علم وغا کے لئے فوجِ شام نے

باندھین صفین حسین علیہ السلام نے

وہ صبح کا ظہور وہ خورشید کی ضیاء — وہ سبزہ کی نمود وہ میدانِ کربلا

وہ ذرون کی چمک وہ سحر وہ خنک ہوا — وہ علقمہ کی سیر وہ نوجون کا جمگھٹا

جلوہ یہ کہہ رہا ہے ہر ایک سنگ و خشت کا

تختہ یہ کربلا کا چمن ہے بہشت کا

تیغین وہ جن کے سامنے ذی نور ہو ہلال — ڈھالین وہ جن کے آگے فلک بھولے چال ڈھال

نیزے وہ جس کی زد پہ نہ رستم چڑھے نہ زال — گھوڑے وہ جن کی روسے نہ آگے بڑھے غزال

اعدا یہ حال دیکھ کے بے حال ہوتے ہین

چیونٹی کی طرح مورچے پامال ہوتے ہین

تاریخ گوئی کی بھی خوب مشق بہم پہنچائی تھی، چنانچہ ان کی کہی ہوئی اکثر تاریخین مشہور ہین،

ذیل کے نمونہ سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے، مولوی عبد الغنی صاحب رئیس اعظم لاہور کی شادی کتخدائی کی تاریخ ہے :-

شکر للہ کامدہ پیکِ صبا	باغ را از مقدمِ گل مژدہ داد
طفلِ غنچہ شیر از شبنم گرفت	گشت از سبزہ زمین مینو سواد
نوعروسانِ بہاری در چمن	جلوہ گر گشتند با دلہاے شاد
قمریان و بلبلان بر سروِ گل	تہنیت گویان کہ حاصل شد مراد
اندرین وقتِ خوش وہنگام عیش	از وفورِ رحمتِ ربّ العباد
کدخدا شد مولوی عبد الغنی	حسبِ حکم شرع با صدق وسداد
بست وہفتم از مہِ شوال بود	یوم تولیدِ رسولِ پاک زاد
از پئے تاریخ تزویج چنین	در سنِ ہجری چو واحد دل نہاد

ہاتفے این مصرعۂ برجستہ گفت

وصلِ ماہ ومشتری مسعود باد

۱۳۱۳ھ

اس قطعۂ تاریخ سے بھی فارسی شاعری مین ان کے خاص رنگ کا پتہ چلتا ہی،

تیموری شاہزادیون کا علمی ذوق

از

سید صباح الدین عبد الرحمن (علیگ) رفیق دار المصنفین

(۲)

زیب النساء بیگم تیموری شہزادیون کے علمی چمنستان کا گل سرسبد زیب النساء بیگم ہے، یہ اورنگ زیب عالمگیر کی سب سے پہلی اولاد دلرس بانو بیگم کے بطن سے تھی، دستور کے مطابق اس کو سب سے پہلے کلام پاک پڑھایا گیا، جس کے لئے عالمگیر کے ایک درباری امیر کی مان مریم کو مقرر کیا گیا جو کلام پاک کی حافظ تھی[۵۱]، زیب النساء بیگم نے بھی کلام پاک حفظ کیا، مآثر عالمگیری کے مؤلف کا بیان ہے کہ اس سعادت کے صلہ مین عالمگیر نے زیب النساء کو تیس ہزار اشرفیان بطور انعام مرحمت فرمائین[۵۲]، زیب النساء نے عربی اور فارسی کی بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کی، عالمگیر نامہ مآثر عالمگیری اور مرآۃ العالم مین ہے :-

"واز تحصیل علوم عربی وفارسی بہرۂ تمام اندوختہ"

زیب النساء کے معلمون مین صرف ملا محمد سعید اشرف مازندرانی کا نام تاریخون مین مذکور ہے جو انکی عمر کے اکیسوین سال مین درسی کتب کے علاوہ، فقہ اصولِ فقہ اور علمِ حدیث کی تعلیم کے لئے مقرر ہوے، زیب النساء نے شعر وشاعری مین بھی انہی سے اصلاح لی[۵۳]، اس نے علم کی تکمیل کے لئے

---

[۵۱] مآثر الامراء جلد دوم ص۲۹ [۵۲] مآثر عالمگیری اردو ترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی ص۳۹۴ [۵۳] ملا محمد سعید اشرف مازندرانی پر ایک مفصل مضمون معارف نمبر ۶ جلد ۱۲ مین ملاحظہ ہو، نیز دیکھو مآثر الکرام جلد دوم ص۱۱۶،

فن خطاطی مین بھی کمال حاصل کیا، مآثر عالمگیری کا مولف رقمطراز ہے، کہ وہ ہر قسم کے خطوط یعنی نسخ، نستعلیق اور شکستہ نہایت خوبی کے ساتھ تحریر کرتی تھی؛[۱] یہ فن شاید اوس نے ملا محمد سعید اشرف ماژندرانی ہی سے سیکھا تھا کیونکہ وہ نہ صرف ایک ممتاز شاعر اور عالم تھے، بلکہ خطاط اور خوشنویس بھی تھے، زیب النسار کے علم و ہنر کی بنا پر یہ قیاس کیا جاتا ہی کہ اسکی علمی کاوش اسکی علمی و ادبی تصنیفات مین بھی ظاہر ہوئی ہو گی، مگر وہ اب ناپید ہین، مخزن الغرائب کے مؤلف نے اوسکی صرف ایک کتاب **زیب المنشآت** کا حوالہ ان الفاظ مین دیا ہی:

"زیب المنشآت کہ از تالیف آنجناب است فقیر آن را زیارت نمودہ، (قلمی نسخہ دار المصنفین)

"زیب المنشآت" زیب النسار کے خطوط اور رقعات کا مجموعہ تھا، اسکی ایک بیاض خاص بھی تھی، جو اس کی ایک خواص ارادت فہم نامی کے ہاتھ سے حوض مین گر کر ضائع ہو گئی، ملا سعید اشرف ماژندرانی نے اسکی معذرت مین ارادت فہم کی طرف سے ایک طویل قطعہ لکھ کر زیب النسار کی خدمت مین پیش کیا،

زیب النسار کے نام سے ایک مرقع بھی منسوب ہی جس مین قطعات، مشہور کاتبون اور خطاطون کے کمالات کے نمونے، ماہر نقاشون اور مصورون کے ہاتھ کی بنائی ہوئی انواع واقسام کی تصویرین تھین، یہ مرقع ناپید ہے، لیکن اس کا دیباچہ جس کو ایک شاعر و نثار ملا رضا راشد نے لکھا تھا، خدا بخش خان لائبریری مین موجود ہے، یہ دیباچہ ملی جلی نظم و نثر مین لکھا گیا ہی، اس سے زیب النسا کی علمی مجالس کا حال معلوم ہوتا ہے، شاعر مذکور لکھتا ہے کہ بیگم کی علمی مجلسون مین نظم و نثر، صرف و نحو، ہندسہ و نجوم، معانی و بیان اور ہیئت و مرایا پر علما و فضلا جمع ہو کر بحث و مباحثہ اور تحقیق و تفتیش کیا کرتے تھے:-

[۱] مآثر عالمگیری ص ۳۹۲.

نہان بود آنچہ در آثارِ قدرت … بفعل آوردہ دست اوز قوت

ملازم دارد آن علامۃ العصر … ز اہل فضل و حق چون ابوالنصر

سوال تسعہ را حاضر جوابی … زکلیاتِ دانش انتخابی

مقولاتی عشر، عشری ز گفتار … زعلم و ظاہر و باطن خبردار

گہی تفتیش علم صرف می شد … سخن از اسم و فعل و حرف می شد

گہی در مجلسش از نحو مذکور … ز مرفوع و ز منصوب و ز مجرور

گہی از ہندسہ می کرد تعداد … ز قدرِ خط و سطح و جسم و ابعاد

گہی می رفت حرف از علمِ تنجیم … ز اسطرلاب و استخراج و تقویم

گہی می کرد وصفِ علم اعداد … صحیح و کسر و زوج و فرد تعداد

گہ از علم بیان کردی حکایت … ز تلمیح و ز تشبیہ و کنایت

گہ از علم معانی بود گفتار … ز اسناد و ز مسند ہا خبردار

گہ از آثار علوی یاد می کرد … حدیثِ ابر و برق و باد می کرد

بہیئت مطلع از طبعِ دراک … ز تسکین زمین، تحریکِ افلاک

شد از علم مرایا بسکہ آگاہ … بذات شخص بردہ از سایہ اش راہ

اس دیباچہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زیب النسار بیگم طب روحانی کی بھی حاذق تھی؛

بعلم طب روحانیہ حاذق … بہ تہذیب است اخلاقش موافق

اور وہ علم موسیقی سے بھی واقف تھی،

ز موسیقی و از الحانش آگاہ … بگوش استماعش لیک اکراہ

بیگم کی انشاپردازی اور علمی کمال کے بارے مین لکھتا ہے:-

بلفظِ مختصر معنی مطوّل   عبارت مجمل و معنی مفصل

بعلم اولی تر از ہر چیز دانی   نہ در اعمال گنجد حرف ثانی

ایک دوسری جگہ رقمطراز ہے،

باہلِ فضل شامل جود خاصش   بعلم و شرع دایم اختصاصش

سخن سنجانِ معنی آفرینان   ز خرمنہاے فضلش خوشہ چینان

سخن فہم و سخن سنج و سخن دان   سخنور را نسنجد جز بمیزان[1]

شعروشاعری کی زبان کے علاوہ شاعر مذکور دیباچہ کی نثر مین بھی بیگم کی انشا، خوشنویسی اورشاعری کا ذکر بیان کی جزالت اور الفاظ کی شوکت کیساتھ کرتا ہی، مورخین اور تذکرہ نویس بھی اسکی علمی سرپرستی اور قدردانی کے بیان مین رطب اللسان ہین، مآثر عالمگیری مین ہی، کہ علما وفضلا اور خوشنویسون کا ایک گروہ زیب النسار بیگم کی سرکار سے فیضیاب ہوا کرتا تھا، (صفحہ ۳۹۴ اردو ترجمہ) غلام علی آزاد ید بیضا، مین لکھتے ہین:-

"بمت بہ ترتیبِ حال ارباب فضل و کمال مصروف می داشتہ وجماعت کثیر از علما، و شعرا و منشیان وخوشنویسان بہ سایۂ قدردانی او آسودہ بود، وکتب ورسائل بسیار بنام او بسمت تالیف پذیرفتہ (ید بیضا قلمی نسخہ، دارالمصنفین)

بقول مولانا شبلی مرحوم زیب النسار کا دربار حقیقت مین ایک اکاڈیمی (بیت العلوم) تھی، اس بیت العلوم مین ہر فن کے علما اور فضلا، نوکر تھے، جو ہمیشہ تصنیف وتالیف مین مصروف رہتے تھے، کتابین عموماً اس کے نام سے موسوم ہوتی تھین، یعنی ان کتابون کے نام کا پہلا جز زیب

[1] پروفیسر محفوظ الحق (پریزیڈنسی کالج، کلکتہ) نے مرتبع کی نقل رسالہ شمع آگرہ، بابت ماہ دسمبر ۱۹۲۵ء مین شائع کی تھی، یہ اشعار اسی سے لئے گئے ہین،

کا لفظ ہوتا تھا، چنانچہ مآثر عالمگیری کے مؤلف کا بیان ہو کہ ملا صفی الدین اردبیلی نے بیگم کے حکم سے تفسیر کبیر کا فارسی زبان مین ترجمہ کیا، تو اس کا نام زیب التفاسیر رکھا گیا، (اردو ترجمہ ص ۳۹۴) مؤلف مذکور کا یہ بھی بیان ہو کہ اس کتاب کے علاوہ اور دیگر رسائل بھی بیگم کے نام سے موسوم ہوئے (صفحہ ۳۹۴) مگر ان رسائل کے نام کہین اور راقم حروف کی نظر سے نہین گذرے زیب التفاسیر کا پانچوان حصہ بوڈلین لائبریری آکسفورڈ مین موجود ہے، یہ حصہ ۲۱۶ صفحون مین ختم ہوا ہے، اور خاتمہ کی تاریخ ۱۰۸۷ھ مرقوم ہی، فہرست نگار کا خیال ہو کہ یہ نسخہ خود مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ہی،

زیب النسار نے اپنے بیت العلوم کے علمار وفضلار کے استفادہ کے لئے ایک اعلیٰ قسم کا کتب خانہ بھی قائم کیا تھا، مآثر عالمگیری کے مؤلف کا بیان ہی، کہ ہنر پرور اور علم شناس شہزادی ہمیشہ کتابون کے جمع کرنے اور نیز جدید تصنیف وتالیف کو جاری رکھنے مین کوشان رہتی تھی، اس کا کتب خانہ ہر حیثیت سے نادر الوجود تھا، (صفحہ ۳۹۴)

زیب النسار شاعر بھی تھی، مگر اس کی شاعری کے متعلق بہت سی بے سروپا اور بے بنیاد باتین منسوب ہوگئی ہین، ان باتون کی تشہیر غیر مسلم مصنفون نے زیادہ کی ہے، "وزڈم آف دی ایسٹ سیریز" مین لندن سے دیوان زیب النسار کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس مین زیب النسار کی اول پچاس فارسی غزلون کا انگریزی ترجمہ مگن لال اور جیسی ڈنکن ویسٹ برک نے کیا ہے، شروع مین ۲۳ صفحے کا ایک مقدمہ ہے، جو موخر الذکر انگریز خاتون یعنی ڈنکن ویسٹ برک کا لکھا ہوا ہے، یہ مقدمہ بظاہر بہت ہی پُر از معلومات ہو اور اس مین زیب النسار کے معاشقہ اور اس ضمن مین اسکی بدیہہ گوئی اور حاضر جوابی کے بہت سے گستاخانہ قصے اور واقعات درج ہین، مگر ان کی تکذیب اور تردید ایک دوسرے غیر مسلم مورخ سرجادو ناتھ سرکار کے ایک مضمون سے ہو چکی ہے،[1] جادو ناتھ سرکار اورنگ زیب عالمگیر کے سب سے بڑے سوانح نگار ہین، اس لئے

[1] اسٹڈیز ان مغل انڈیا ص ۹۰-۷۹،

اورنگزیب کی لڑکی زیب النسار کی حمایت مین ان کا کچھ لکھنا بجبر و اکراہ حق و صداقت کا اظہار
کرنا ہے، مولانا شبلی مرحوم نے بھی زیب النسار سے متعلق جو مہمل اور لغو روایتین مشہور ہو گئی تھین
انکی تردید اپنے مضمون "زیب النسا" مین کر دی ہے،[1]

زیب النسار کے عشق و محبت کی طرح اس کا دیوان بھی محض فسانہ بن کر رہ گیا ہے، زیب النسا
کا ایک مجموعۂ کلام "دیوانِ مخفی" کے نام سے مختلف مطابع سے چھپ کر بازار مین فروخت ہوتا ہی،
مگر اربابِ نظران متداول نسخون پر اپنے خیالات ظاہر کرکے بتا چکے ہین، کہ دیوان کی اندرونی شہادت
کی بنا پر اسکو کسی طرح زیب النسار کا دیوان نہین کہا جا سکتا ہے، پروفیسر محفوظ الحق (پرنسپل پریزیڈنسی
کالج، کلکتہ) نے معارف نمبر ۵ جلد ۱۱ مین یہ بتایا ہے، کہ دیوان مخفی دراصل مخفی رشتی کا ہے جس کا
وطن باصطرخ تھا، وہ شاہجہان کے عہد مین خراسان سے ہندوستان جلب منفعت کے لئے آیا،
مگر یہان کی ہوا راس نہین آئی، دشمنون کی ریشہ دوانیون سے قید کر دیا گیا، چونکہ شاہی
دربار مین اسکی رسائی نہ ہو سکی، اس لئے اس کا کلام اورون کی طرح مشہور نہ ہو سکا، اور ایک
حد تک مخفی مگر محفوظ رہا، اس کا دیوان بعض غیر محقق مصنفون کے ہاتھ لگا، اور اسے دیکھے اور سمجھے بغیر
غالباً محض مخفی کی رعایت کی بنا پر اس کو بیگم کی جانب منسوب کر دیا،

مستند تذکرہ نویسون مین احمد علی سندیلوی بھی مخزن الغرائب مین زیب النسا کے
ذکر مین لکھتے ہین :-

"اما دیوان اشعارش جاے بنظر نیامدہ، مگر در تذکرہ انتخابش بنظر آمدہ لیکن
اعتبار را نشاید، سبب آن کہ اکثر شعر اساتذہ صاحب آن تذکرہ بنام بیگم نوشتہ بود"

---

[1] مقالات شبلی جلد پنجم ص [illegible] ملاحظہ ہو اورنٹیل پبلک لائبریری کیٹلاگ جلد سوم ص ۱۵۰، اور پروفیسر
محفوظ الحق کا مضمون زیب النسا اور دیوان مخفی، معارف نمبر ۵ جلد ۱۱،

اسی سلسلہ مین احمد علی سندیلوی نے زیب النسا کے قریب پندرہ ایسے اشعار نقل کئے ہین جو
بعض تذکرون مین زیب النسار کی طرف منسوب ہین لیکن یقین کیساتھ نہین کہا جا سکتا ہو کہ یہ اشعار واقعی اسی کے ہین

مولانا شبلی مرحوم کا خیال ہے کہ اس کا سارا کلام شاید اس بیاض مین جمع ہو، جو ارادت نعم
سے ایک حوض مین گر کر ضائع ہو گئی، بہر حال زیب النسار کے شاعر ہونے مین کسی کو انکار نہین
ہو سکتا ہی، مرقع کا دیباچہ نگار اسکی شاعری کی تعریف مین اس طرح رطب اللسان ہی،

زخیلِ طبع و نفس اندیشہ کرد ۔۔۔ پری و دیو را در شیشہ کردہ
زطبعش موجزن بحرِ معانی ۔۔۔ بہ بحرِ شعر آبِ زندگانی
زنطقش نشۂ معنی زند جوش ۔۔۔ شود سامع چو صورت محو و مدہوش
زنظم و نثر نطقش آنچہ گفتہ ۔۔۔ درِ نا سفتہ گوہرہاے سفتہ

مولانا شبلی مرحوم نے بعض تذکرون کے اسناد پر صرف مندرجۂ ذیل رباعی کو زیب النسا بیگم
کی طرف منسوب کیا ہی،

بشکند دستے کہ خم در گردنِ یاری نشد ۔۔۔ کور بہ چشمے کہ لذت گیر دیدارے نشد
صد بہار آخر شد و ہر گل بہ فرقے جا گرفت ۔۔۔ غنچۂ باغِ دلِ ما زیب دستارے نشد

مگر پروفیسر محفوظ الحق نے معارف کے مضمون ہذا مین اس رباعی کو بھی مشکوک بتایا ہی،

زیب النسار کا ذوقِ شعری اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اس کی خدمت مین شعرا اپنے معروضات
اشعار ہی مین پیش کرتے تھے، اوپر یہ ذکر کیا جا چکا ہو کہ زیب النسا کی بیاض اسکی ایک کنیز سے حوض
مین گر گئی تھی زیب النسا کے استاد ملا سعید اشرف ماژندرانی نے کنیز کی طرف سے ایک طویل معذرت نامہ
لکھ کر زیب النسار کی خدمت مین پیش کیا، یہ قطعہ مخزن الغرائب مین درج ہے، جس کی پوری
نقل مقالاتِ شبلی حصہ پنجم کے مضمون زیب النسا مین بھی ہے، ہم یہان اس کے صرف چند

اشعار ناظرینِ معارف کے لئے پیش کرتے ہیں،

اے ادا فہمے کہ پیشت فاضلانِ عصر را　　　شستنِ مجموعۂ اندیشہ باب افتادہ است

در خُمِ افلاطون زیاد دانشت سرخوش بود　　　ہمچو مخموری کہ در فکرِ شراب افتادہ است

ذہن صافت تا علم گردید در دانشوری　　　طبع افلاطون زبس در اضطراب افتادہ است

دفترِ فرہنگ در چنگش بجز اگنندہ است　　　از کفش مجموعۂ دانش در آب افتادہ است

آن بیاضِ خاصۂ شاہی کہ در اطراف آن　　　جاے افشاں نقطہای انتخاب افتادہ است

آن مرصع خوان گہر ریزی کہ باشد جلوہ گر　　　دُرِّ الفاظش بسے باآب و تاب افتادہ است

ماثر الکرام میں غلام علی آزاد بلگرامی، ملا سعید ماژندرانی کے ذکر میں لکھتے ہیں، کہ ایک بار زیب النسا بیگم نے استاد کی خدمت کے لئے ایک کنیز بھیجی، مگر ملا سعید اس سے خوش نہ رہ سکے، اور اس کی ہجو میں ایک قطعہ لکھکر زیب النسا بیگم کے پاس بھیجا، غلام علی آزاد نے اس قطعہ کا صرف پہلا مندرجۂ ذیل شعر نقل کیا ہے،

اے کہ ہرگز قدرت ہم چشمیت حور اندا شت　　　قدر دانشور شناسا! نور چشم عالما

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں، کہ اس ہجو میں ملا سعید نے کلام پاک کے الفاظ قابَ قوسین اَوْ اَدنیٰ کو بہت ہی فحش طریقہ پر استعمال کیا، مولانا شبلی مرحوم نے بھی اس واقعہ کو نقل کیا ہی، لیکن ان کو تعجب ہے کہ ملا سعید نے اس قسم کی بے اعتدالی کی جرأت کس طرح کی، کیونکہ شاہی بیگمات کے آداب اور زیب النسا کا زاہدانہ مذاق اس قسم کی جرأت کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا،

ملا سعید کو زیب النسا کی ملازمت میں جب کافی مدت گذر گئی، تو وطن واپس جانا چاہا اور رخصت کی درخواست ایک مدحیہ قصیدہ میں لکھکر دی، اس قصیدہ کے آخر میں لکھتا ہی،

یکبارہ از وطن نتوان برگرفت دل　　　در غربتم اگرچہ فزون است اعتبار

پیشِ تو قرب و بعد تفاوت نمی کند　　　گو خدمتِ حضور نباشد مرا شعار

نسبت چو باطنی است چہ دہلی چہ اصفہان　　　دل پیش تست تن چہ بہ کابل چہ قندھار

(ماثر الکرام ص ۲۱۰ جلد دوم)

ریاض الشعراء (قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی) میں زیب النسا کی خدمت میں شاعرانہ معروض کا ایک اور واقعہ منقول ہی، نعمت خان عالی نے جو اس زمانہ کا ایک مشہور شاعر تھا، زیب النسا کے پاس ایک مرصع کلغی فروخت کے لئے بھیجی، زیب النسا نے اسکی قیمت بھیجنے میں دیر کی تو نعمت خان نے یہ رباعی لکھکر پیش کی،

اے بندگیت سعادتِ اخترِ من　　　در خدمتِ تو عیان شدہ جوہرِ من

گر جیغہ خرید نی است پس کو زرِ من　　　ورنیست خرید نی بزن بر سرِ من

اس رباعی کے صلہ میں زیب النسا بیگم نے پانچہزار روپئے دلوائے، اور کلغی بھی واپس کر دی، مولانا شبلی مرحوم نے بھی اس واقعہ کو خزانہ عامرہ سے نقل کیا ہی؛

۱۰۹۰ھ میں زیب النسا نے ابرک کا ایک بڑا خیمہ بنوایا، جو تمام تر شیشہ کا معلوم ہوتا تھا، نعمت خان عالی نے اسکی تعریف میں ایک چھوٹی سی مثنوی کہی، اس کے کچھ اشعار مولانا شبلی نے اپنے مضمون زیب النسا میں بھی نقل کئے ہیں، (دیکھو مقالاتِ شبلی جلد پنجم ص ۱۱۶) زیب النسا کے دربار کے شعر و شاعری کے اسی چرچے کی بنا پر مولانا شبلی رقمطراز ہیں، کہ عالمگیر کی خشک مزاجی سے شاعری اور شعراء کو جو نقصان پہنچا تھا، اسکی تلافی زیب النسا کے حُسنِ مذاق سے ہو گئی تھی،

اورنگزیب کی دوسری لڑکیاں

اورنگزیب کی دوسری لڑکیوں کا علم و ہنر زیب النسا کی علمی شہرت کے سامنے ماند پڑ گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ گو زیب النسا کی طرح آسمانِ علم و ادب کی مہتاب تو نہ بن سکیں، مگر مختلف قسم کے علوم و فنون سے آراستہ و پیراستہ تھیں، ماثر عالمگیری کے

مؤلف کا بیان ہے کہ اورنگ زیب کی لڑکیون مین زینت النساء بیگم نے بھی باپ کی توجہ اور فیض تربیت سے علمی کمالات حاصل کئے، وہ عقائد مذہبی، احکام دینی اور مسائل شرعی سے بخوبی واقف و آگاہ تھی، (مآثر عالمگیری اردو ترجمہ ص ۳۹۵) صبح گلشن مین زینت النساء بیگم کا ذکر ایک شاعرہ کی حیثیت سے بھی کیا ہے، مؤلف کے الفاظ یہ ہین: (ص ۱۹۲-۱۹۱)

"زینت النساء بیگم ہمشیرۂ زیب النساء بیگم از بنات اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ است عالمہ و شاعرہ و حافظۂ کلام اللہ بود، زینت المساجد بنا کردہ اش الی الآن در شہر شاہجہان آباد موجود و معمور، و بر سنگ مزارش کہ در صحن ہمان مسجد ست این شعر خودش منقوش و منقور است

مونس ما در لحد فضل خدا تنہا بس است سایۂ از ابر رحمت قبر پوش ما بس است

مآثر عالمگیری کے مولف کا بیان ہے کہ اورنگ زیب کی ایک اور لڑکی زیب النساء بیگم کی طرح حفظ کلام اللہ کی سعادت اور علوم دینی کی تعلیم سے بہرہ ور ہوئی، اور ہمیشہ علم کے ساتھ عمل کو بھی ملحوظ رکھا، عالمگیر کی ایک اور لڑکی زبدۃ النساء بیگم کے بارے مین مولف مذکور لکھتا ہے، کہ ہمیشہ طاعت و عبادت و تحصیل علم مین عمر بسر کی، اور ذخیرۂ سعادت فراہم کرتی رہی

(اردو ترجمہ ص ۳۹۵)

ہندی ادب کا دور جدید

از

جناب گوری شرن لال سریواستو صاحب ایم اے (علیگ)

مغربی ادب کا اثر جب ہندی پر پڑا، تو اس کے نئے عہد کا آغاز ہوا، اٹھارہوین صدی مین ادبی قحط کا دور دورہ تھا، لیکن انیسوین صدی کی ابتدا ہی مین سنہرا زمانہ آیا، سیاسی اعتبار سے اس دور کو چاہے لاکھ برا سمجھین، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ادب کا پودا اس زمانہ مین جس قدر سرسبز و شاداب ہوا، ایسا کبھی نہین ہوا تھا، ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان مین تجارت کرنے آئی تھی، لیکن قسام ازل نے اسے ایک بہت بڑی سرزمین کا حکمران بنا دیا، لیکن کمپنی بھی یہ محسوس کرنے لگی کہ جن لوگون پر اسے حکومت کرنی ہے، ان کی صلاح و فلاح کے لئے اس پر کچھ ذمہ داریان بھی عائد ہوتی ہین، چنانچہ پارلیمنٹ مین اس مسئلہ پر گرما گرم بحثین ہوتی تھین، سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ کمپنی کی حکومت مین جو لوگ رہتے ہین، ان کی تعلیم کا مناسب بندوبست ہونا چاہئے، خوش قسمتی سے چھاپہ خانہ کی ایجاد نے ہندوستان کی ادبی زندگی مین بڑا انقلاب پیدا کر دیا تھا، ایک طرف دیسی زبانین ترقی کر رہی تھین تو دوسری طرف انگریزی تعلیم باوجود مخالف کے تھپیڑون کے تیزی سے پھیل رہی تھی، اس کا اثر ہندوستانیون کے خیالات پر بہت گہرا پڑا، جس طرح یورپ مین نئے دور (Revaissance) کی آمد سے قومی و ملکی زبانون کا عروج شروع ہوا، اسی طرح ہندوستان مین انگریزی زبان کے رواج نے دیسی زبانون کی ترقی کے لئے ایک نئی شاہراہ کھول دی، مدتون کی بدامنی کے بعد جب اہل ہند

کو سکون میسر ہوا، تو ان کے لٹریچر نے بھی ترقی کی، یہی وجہ ہو کہ ایک صدی مین ہندی ادب کہین سے کہین پہونچ گیا، بول چال کی زبان منجھ گئی، اور ہندی نثر کی بنیاد پڑی، اس سلسلہ مین ہم چند شاعرون اور بعض ادارون کا نام لین گے اور انہی کے سلسلہ مین ہندی کی صد سالہ تاریخ پر بھی روشنی ڈالنے کی کوشش کرین گے،

للوجی لال

انیسوین صدی کی ابتدا مین فورٹ ولیم کالج کا نظم ونسق، ڈاکٹر جان گلکرسٹ کے ہاتھون مین تھا، انھیں خوش قسمتی سے بہت سے مددگار مل گئے، تھے جن مین کپتان ابراہیم لاکٹ، (Lockett) پروفیسر ٹیلر (Taylor) اور ڈاکٹر ہنٹر (Hunter) قابل ذکر ہین، ان کی کوششون سے دیسی زبانین بار آور ہوئین، انگریز افسرون کے مطلب کی دیسی کتابین جمع کی گئین، اور بہت سے ماہرین ادب نے مل کر ہندی کے پودے کو سینچنا شروع کیا اگرچہ زیادہ تر کام اردو کی ترقی کے لئے ہوا لیکن للوجی لال اور سدل مصر نے ہندی کی ترقی کے لئے ہر ممکن طور پر محنت کی، اب تک ہندی کی جو نثر لکھی گئی تھی، وہ معیاری نہین تھی، لیکن ان دو مصنفون کی بدولت ہندی نثر کا ایک معیار قائم ہوگیا للوجی لال گجراتی برہمن تھے، جن کے بزرگ گجرات سے آکر شمالی ہندوستان مین بس گئے تھے، سدل مصر کے ساتھ مل کر انھون نے ادبی ہندی کا ایک معیار قائم کیا، شمالی ہندوستان مین ہندی کی مختلف بولیان رائج تھین لیکن وہ لوگ جو فارسی نہین جانتے تھے، ان سب کی زبان اردو تھی، اردو مین زیادہ تر الفاظ فارسی اور عربی سے مستعار لئے ہوئے ہین، جن کا واسطہ خالص مسلمانون سے ہی، ہندؤن کے لئے بھی ایک زبان چاہئے تھی، اس لئے انھون نے اردو مین سے فارسی عربی کے الفاظ خارج کرکے سنسکرت اور خالص آریائی الفاظ شامل کرنا شروع کئے، کھڑی بولی دلی اور میرٹھ کے اطراف کی زبان کا نام ہے، اسی سے اردو کا خمیر بنا ہے، اور اسی پر ہندی زبان کی بھی بنیاد ہے، للوجی لال نے

کھڑی بولی پر ہندی کی عمارت بنائی، ادھر اردو مین نہ صرف عربی فارسی کے الفاظ شامل ہوگئے تھے، بلکہ پنجابی اور راجستھانی بھی گھل مل گئے تھے، اس لئے للوجی لال کی ہندی ہر اعتبار سے اردو سے مختلف تھی، یہی وجہ ہو کہ اسے ایک نئی زبان کہنا نامناسب نہین معلوم ہوتا لیکن اس سے کسی طرح کی غلط فہمی نہین پیدا ہونی چاہئے، کیونکہ ہندی اردو دونون کا مخرج ایک ہی ہے بعض لفظی اور معنوی تبدیلیون کے بعد دونون اب بھی ایک ہوسکتی ہین،

ادبی ہندی کی ملک مین بڑی کامیابی سے اشاعت ہوئی، ہندوستان مین اوس کے بولنے والے لاکھون کی تعداد مین پیدا ہوگئے، شاعری اب بھی برج بھاشا اودھی اور دوسری پراکرتون مین ہوتی تھی، کیونکہ کھڑی بولی کے شاعر بہت دنون بعد پیدا ہوئے، اب ہندی نثر مین بے شمار کتابین تصنیف ہونے لگین، یہان تک کہ چند برسون مین ایک بہت بڑا ذخیرہ پیدا ہوگیا، اس زبان کی سب سے پہلی کتاب پریم ساگر ہے، جو بھگوت پران کے دسوین ادھیاے کا ترجمہ ہے، اس سے پہلے چتربھج مصر نے اس کا برج بھاشا مین ترجمہ کیا تھا، دوسری مشہور کتاب راج نیتی ہے جو ۱۸۰۹ء مین تصنیف ہوئی جس مین ہتوپدیش اور پنچ تنتر کی حکایات جمع کردی گئی ہین، یہ کتاب برج بھاشا مین ہے "سنگھاسن بتیسی" اور "بیتال پچیسی" مین بھی قصے ہین، ان کی زبان اردو ہندی کی عجب انمل کھچڑی ہے، اردو ہندی کی دیگر تصانیف کے علاوہ للوجی لال کی تصنیف "لال چندریکا" بھی بہت مشہور ہے، جو "بہاری ست سئی" کی شرح ہے، برج بھاشا کی نظمون کا ایک مجموعہ بھی انھون نے تالیف کیا تھا، اس کتاب کا نام "سبھا بلاس" ہے، سدل مصر نے "ناسکوت پاکھیان" لکھی جس مین ناچکیت کا قصہ درج ہے، اسکی ہندی سلیس اور شیرین ہی،

سرام پور کالج

ہندی کی تجدید کے سلسلہ مین ولیم کیرے (Carey) اور ان کے شریک کار مارش مین (Marshman) کا ذکر نہ کرنا ایک اہم فرو گذاشت ہوگی، انھون نے

بائبل اور عیسائی مذہب کی دوسری کتابون کا ہندوستان کی تمام زبانون مین ترجمہ کیا، ہندی ترجمہ کیرے نے خود کیا تھا، سب سے پہلا ترجمہ ۱۸۰۹ء مین شائع ہوا تھا، علاوہ ان ترجمون کے ان عیسائیون نے دیسی زبان کی اور بہت سی کتابین شائع کین، جن مین رامائن بھی شامل ہے، ۱۸۱۲ء مین سرام پور مین آگ لگ گئی جسکی وجہ سے پریس اور بہت سی کتابون کا ذخیرہ جل گیا، ۱۸۱۸ء مین کیرے نے بنگالی زبان مین سب سے پہلا اخبار نکالا، اس سے پہلے دیسی زبان مین کوئی اخبار نہین نکلا تھا، آج جو ہندوستان کی مختلف زبانون مین بہت سے اخبارات نکلتے ہین، ان کی ابتدا سرام پور ہی سے ہوئی، کیرے اور اس کے دوسرے رفقا نے جو کام کیا، اس سے دیسی زبانون کو بہت فروغ حاصل ہوا،

راجہ شیو پرشاد للوجی لال نے جس طرز نگارش کی بنیاد ڈالی تھی، وہ خاصی سنسکرت آمیز تھی، اسلئے اہل قلم نے اس پر حرف رکھنا شروع کیا، لیکن حرف رکھنے والے خود سیدھی سڑک پر نہ جاسکے اور ضرورت سے زیادہ فارسی کی طرف مائل ہوگئے، ان دو افراط پسند طبقون کے درمیان ایک تیسرا طبقہ پیدا ہوا، جس کے سرگروہ راجہ شیو پرشاد تھے، ان کی زبان نہ مشکل اردو ہے، اور نہ مشکل ہندی، بلکہ بول چال کی سلیس اور شستہ زبان ہے، پھر بھی یہ جھگڑا کم نہ ہوا، اور رفتہ رفتہ اس نے ایسی پیچیدگی اختیار کر لی، کہ آج اس کو حل کرنے کے لئے ملک کے بڑے بڑے اہل دماغ پریشان ہو رہے ہین،

راجہ شیو پرشاد ہندی کی مشہور شاعرہ بی بی رتن کنور کے پوتے تھے، جوانی مین وہ راجہ بھرت پور کے وکیل تھے، لیکن بعد میں سرکاری ملازمت کر لی، رفتہ رفتہ وہ میر منشی کے عہدہ پر فائز ہوئے، اور پھر ترقی کرکے محکمہ تعلیمات کے ناظم ہوگئے، سرکار نے خوش ہوکر انھین راجہ کا موروثی خطاب عطا کیا، علاوہ علمی تصانیف اور تراجم کے راجہ صاحب نے اسکولون کے لئے بھی بہت سی درسی کتابین تالیف کین،

پریس دور جدید کی سب سے بڑی ادبی خصوصیت یہ ہو کہ اس زمانہ مین نثر کی بہت سی کتابین لکھی گئین، اس کا واحد سبب یہ ہو کہ طباعت کی تمام آسانیان فراہم ہوگئی تھین، پہلے کتابین فورٹ ولیم کالج کے مطبع مین چھپتی تھین، لیکن اس مین اخراجات بہت زیادہ ہوتے تھے، علاوہ اس کے ہندی کا ٹائپ بھی بہت بھدا ہوتا تھا، کیرے کی تصانیف اسی طرح چھپی تھین، ۱۸۳۷ء مین دلی مین لیتھو پریس (Litho Press) جاری ہوا جب سے برابر ہندی کتابون کی اشاعت بڑھتی رہی ہو،

سب سے بڑی بات تو یہ ہوئی، کہ ہندی مین اخبارات اور رسالون کی تعداد بڑھنے لگی، اور اب تو ان کی اتنی کثرت ہو کہ شمار مشکل ہی، اب ہندی زبان مین انگریزی کے ترجمے، مذہبی اور تمدنی علوم پر کتابچے ناول اور درسی کتابین ہر طرح کا لٹریچر شائع ہونے لگا، لیکن ان سب کو معیاری ادب کا مرتبہ نہین دیا جاسکتا، زمانہ خود بتادیگا کہ اس مین کتنا حصہ زندہ رہنے والا ہے، ہندی نثر کا ابھی کوئی معیار مقرر نہین کیا جاسکا ہے، ابھی صرف یہ بتایا جاسکتا ہے، کہ اس کے رجحانات کیا ہین، اس دور کی تصانیف مین کم از کم ایک کتاب یعنی بائبل کا ہندی ترجمہ ہندوستان کے چپہ چپہ مین پہونچ چکا ہی، اس لئے اس کا اثر ملک کی زندگی پر بہت زیادہ پڑا ہے، پریس کی بدولت بہتیری کتابین ملک کے گوشہ گوشہ مین پہنچ چکی ہین،

ہرشی چندر ہرشی چندر کی شاعری بڑے پایہ کی ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ مغربی اثرات نے ہندی شاعری کو نقصان نہین پہنچایا، بلکہ اسے فروغ دیا، ہرشی چندر کو بھارتیندو بھی کہتے ہین، جس کا ترجمہ "ہندوستان کا چاند" ہے، یہ کوئنس کالج بنارس مین پڑھتے تھے، سولہ برس کی عمر سے انھون نے شاعری شروع کی، اور اپنی مختصر سی زندگی مین ایک سو پچھتر کتابین لکھین، جن مین اٹھارہ ڈرامے ہین، ہرشی چندر کو ہندی ڈرامے کا موجد کہا جاتا ہے، ان ڈرامون کا موضوع خالص قومی اور ملکی ہے، ہندوستان کے روشن مستقبل کے لئے اس مین بہت امید افزا خیالات ظاہر کئے گئے ہین

ہرش چندر نے مختلف موضوعوں یعنی مذہب، سیاست، تاریخ اور فلسفہ وغیرہ پر کتابیں لکھی ہیں نثر کے علاوہ نظمیں بھی کثرت سے لکھی ہیں جن میں مزاحیہ نظموں کی افراط ہے، ان کی دو کتابیں بہت زیادہ مقبول ہیں، ایک کشمیر کسم یعنی کشمیر کی تاریخ ہے، اور دوسری کتاب کا نام چتراولی ہے جس میں ہندوستان کے بڑے آدمیوں کی سوانحعمری درج ہے، ڈرامہ کے بعد ان کی عاشقانہ شاعری بہت قابل قدر ہے ان کا شمار ہندی کے بہترین ادیبوں میں ہونا چاہئے، ان کی زبان برج بھاشا ہے، گو کھڑی بولی میں بھی یہ بہت خوب کہتے ہیں، انھوں نے اس خیال سے کہ ہندی شاعری کا مذاق عام ہو جائے، ہرش چندر کا نامی ایک ماہانہ رسالہ نکالا، اس رسالہ میں شعر و شاعری پر اچھے مضامین اور نفیس منظومات ہوتی تھیں، علاوہ بریں کئی ایک مجموعۂ نظم بھی شائع کئے، جن میں سندری تلک بہت مشہور ہے، اس میں ۶۹ شاعروں کا کلام ہے، یہ تمام دفترِ نظم "سوَیا" بحر میں ہے، ایک اور کتاب کوی بچن سدھا ہے جس میں برسات کے موضوع پر نظمیں ہیں،

ہندی اور بہاری ڈراما

ہندی ڈراما ابھی حال کی چیز ہے، زمانۂ قدیم میں بھی بعض مصنفوں نے ناٹک لکھے تھے، ان میں دیودت کا ناٹک دیومایا پرپنچ، نواز کی شکنتلا، اور برج باسی داس کا پربودھ چندرودے زیادہ مشہور ہیں، لیکن ان میں ڈرامائی خوبیوں کا نام ونشان بھی نہیں ہے، سب سے پہلا معیاری ناٹک گوپال چند عرف گردھر داس نے ۱۸۵۷ء میں نہوش ناٹک کے نام سے لکھا، اس میں نہش کے راجہ کے تخت سے اُترنے اور دوبارہ تخت نشین ہونے کا حال مکالمہ کی صورت میں بیان کیا گیا ہے، اس کے بعد راجہ لچھمن سنگھ نے شکنتلا لکھی، جو بہت اچھا اور نفیس ڈراما ہے، پھر ہرش چندر نے ڈراما لکھنا شروع کیا، ان کا پہلا ڈرامہ ودیا سندر ہے، اس دور کے دوسرے مشہور ڈرامہ نگار ہری نواس داس، توتارام، گوپال رام، کاشی ناتھ کھتری، پروہت گوپی ناتھ اور لالہ سیتا رام وغیرہ ہیں، سب سے پہلے ہندی ڈراما ۱۸۶۶ء میں اسٹیج کیا گیا،

بہار میں ڈرامے کی بنیاد بہت پہلے پڑی، پندرہویں صدی میں ودیاپتی ٹھاکر ہوئے جنھوں نے دو ناٹک لکھے ہیں، لال جھا جن کا زمانہ ۱۷۸۰ء ہے، گوری پری نے کے مصنف ہیں انیسویں صدی کے شروع میں بھانو ناتھ جھا نے پربھاوتی ہرن اور ان کے بعد ہرش ناتھ جھا نے اوشا ہرن لکھی، بہاری اور ہندی ڈرامے میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ بہاری میں افراد سنسکرت اور پراکرت میں باتیں کرتے ہیں، اور محض گانے میتھلی میں گائے جاتے ہیں، برخلاف اس کے ہندی ڈرامے کی زبان شروع سے اخیر تک ہندی ہی ہوتی ہے،

نظموں کے مجموعے

جس کثرت سے نظموں کے مجموعے اس دور میں شائع ہوئے ہیں، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ ہندی ادب سے پبلک کی دلچسپی کتنی سرعت سے بڑھ رہی تھی، اور چھاپہ خانہ کی اہمیت کا اندازہ کتنا زیادہ کیا جانے لگا تھا، للوجی لال اور ہرش چندر کے مجموعوں سے قطع نظر سیکڑوں اور مشہور مجموعے شائع ہوئے، راگ ساگر کلپدرم میں دو سو شاعروں سے زیادہ کا کلام ہے، کتاب ضخیم ہے، مولف کا نام کرشنانند ویاس دیو ہے، تاریخ ترتیب ۱۸۴۳ء درج کتاب ہے، ٹھاکر پرشاد ترپاٹھی نے ۱۸۶۳ء میں دو سو بیالیس شاعروں کے کلام کا مجموعہ شائع کیا، اور گوکل پرشاد نے جو ریاست بلرام پور ضلع گونڈہ کے کایستھ تھے، دگ بجے بھوشن نامی مجموعۂ نظم شائع کیا، اس میں ایک سو بانوے شاعروں کا کلام ہے، شیو سنگھ سینگر نے شہرۂ آفاق مجموعۂ نظم شیو سنگھ سروج تالیف کیا، اس کتاب کا دوسرا اڈیشن ۱۸۸۳ء میں شائع ہوا،

گوکل ناتھ

اس دور کی ایک مفید تالیف مہابھارت کا ہندی ترجمہ ہے، اس کام کی ابتدا گوکل ناتھ نے کی، جن کا وطن مالوف بنارس ہے، راجہ اودت نرائن نے ان کی بڑی ہمت افزائی کی، اس وقت انھوں نے دو اور کتابیں گوبند سکھ بہار اور چیت چندرکا لکھیں، دوسری کتاب میں انھوں نے اپنے ولی نعمت راجہ چیت سنگھ کے حالات درج کئے ہیں، بہرحال مہابھارت

کا ترجمہ ان کا شاہکار ہے، اس کام مین انھین اپنے بیٹے گوپی ناتھ اور شاگرد مانی دیو سے بڑی مدد ملی،

درباروں مین ہندی

ہندی مین نئے خیالات آسانی سے رواج نہ پا سکے، بعض جگہ تو ابھی تک پرانے خیالات ہی کا رواج ہے، چھاپہ خانہ کی برکتین یک بیک عام نہین ہوئین، اس وجہ سے شاعرون کو درباداری کرنی پڑتی تھی، تیا، چرکھاری، ریوان، بنارس اور اجودھیا وغیرہ ریاستون کے راجہ نہ صرف شاعر نواز تھے، بلکہ خود بھی شعر کہتے تھے، جودھپور کے راجہ مان سنگھ نے جن کا زمانہ ۱۸۱۱ء کے لگ بھگ ہے، راجستھانی مین بہت سی کتابین لکھی ہین، ایک مشہور شاعر چندر سیکھر باجپئی دربھنگہ، جودھپور اور پٹیالہ وغیرہ کئی ریاستون مین رہے، وہ رزم اور بزم دونون کے ماہر تھے، ان کی تصنیف ہمیرہٹ بہت اچھی ہے، تیا کے مہاراج ہندوپتی نے موہن بھٹ، روپ ساہی اور کرن وغیرہ شاعرون کو نوازا، کرن نے فن شاعری پر بھی ایک کتاب لکھی ہے، موہن بھٹ کے بیٹے پدماکر بھٹ تھے، جن کی رسائی بہت سے دربارون مین تھی، چرکھاری کے راجہ کھمان سنگھ، بکرم سنگھ اور رتن سنگھ، ہندی ادب مین بہت مشہور ہین، انھون نے شاعرون کی بڑی حوصلہ افزائی کی، بکرم سنگھ خود بھی بڑے اچھے شاعر تھے، انھون نے بہاری لال کی تقلید مین ست سئی لکھی ہے، ان کے دربار مین بتیال، مان اور بال دیو ایسے عظیم المرتبت شاعر تھے، ان سے پہلے راجہ رتن سنگھ نے بھی ہندی ادب کی بڑی خدمت کی تھی، ان کے دربار مین بہاری لال، اودھیش، راؤ رانا، گوپال اور رام دین ترپاٹھی وغیرہ اچھے اچھے شاعر رہتے تھے،

ریاست بوندی نے بھی ادب ہندی کی تاریخ مین سنہری جگہ حاصل کر لی ہے، دربار کے مشہور شاعر سورج مل نے بنس بھاسکر لکھی، جو ریاست بوندی کی منظوم تاریخ ہے، اور ہندی

ادب کے شہ پارون مین سے ہے، ریوان کے راجہ جے سنگھ اور ان کے لڑکے وشوناتھ سنگھ (۱۸۵۴ء) دونون شاعرون کی قدر کرتے تھے، وہ خود بھی اچھے ادیب اور شاعر تھے، وشوناتھ سنگھ ہندی کے علاوہ سنسکرت مین بھی خاصی مہارت رکھتے تھے، کبیر کی بیجک اور تلسی داس کی ونے پتر کا کی انھون نے ہندی مین اچھی شرحین لکھی ہین، ایک اور کتاب "رام چندر کی سواری" بھی انھون نے بہت اچھی لکھی ہے، ان کے لڑکے راجہ رگھوراج سنگھ بھی شاعر تھے، انھون نے بھگوت پران کا بہت پاکیزہ ترجمہ کیا ہے، اور ہنومان جی کی جیونی بھی لکھی ہے، جس کا نام سندر ستک ہے، ان والیان ریاست کی طرح اجودھیا کے راجہ مان سنگھ بھی شاعر اور شاعر دوست تھے۔

فن شاعری

درباری شاعرون مین زیادہ تر ایسے تھے، جو علم عروض اور فن شاعری پر کتابین لکھتے تھے، ان کی بڑی قدر ہوتی تھی، چنانچہ گردین پانڈے (۱۸۰۳ء) نے کیشوداس کی کوی پریا کے انداز پر کتاب لکھی، لکھنؤ کے ایک برہمن شاعر بینی پروین باجپئی نے بھی فن شاعری پر چند مفید کتابین لکھین، اسی زمانہ مین پدماکر بھٹ بھی ہوئے، یہ باندہ کے رہنے والے تھے، ان کی قدر بہت سے دربارون مین ہوئی، انھون نے فن شاعری پر سات کتابین لکھی ہین، جو بہت مستند اور معیاری ہین، صنائع بدائع خصوصاً ایہام نگاری مین انھین کمال حاصل تھا، ان کی سب سے اچھی کتاب جگت ونود ہے، آخیر زندگی مین وہ گنگا جی کی پوجا کرنے لگے، اور گنگا لہری لکھی، ان کے پوتے گجادھر بھٹ نے بھی فن شاعری پر ایک کتاب لکھی، پدماکر کے ایک ہم عصر گوال کوی تھے، جن سے ان کی برابر چشمک رہا کرتی تھی، یہ متھرا کے رہنے والے تھے، ان کی ایک تصنیف جمنا لہری یادگار ہے، اسی دور مین بنارس مین رام سہائے داس اور نیپال مین بیج نیش ہوئے، رام سہائے نے بہاری لال کا اسلوب شاعری اختیار کیا، پرتاب سہائے نے رام چندر کے متعلق نظم لکھی، اور فن پر بھی بہتیری کتابین لکھین، ان کی زبان متی رام کی طرح صاف ستھری ہے، اس عہد

کے دوسرے شاعرون مین بہاری لال ترپاٹھی اور نوین زیادہ قابل ذکر ہین،

ان کے علاوہ اور بہت سے شاعر ہوئے، جن کا فرداً فرداً ذکر کرنا ناممکن ہی، اس لئے یہان محض چند نام گنا ئے جاسکتے ہین، گنیش پر شاد فرخ آبادی نے نکھ سکھ لکھی ہے، گوپال چندعرف گردھرداس (جن کے لڑکے بھارتیز وہریش چندر تھے) چالیس کتابون کے مصنف ہوئے ہین، سردار بنارسی نے بہاری ست سئی، کوی پریا اور سورداس کے کلام کی شرح لکھی ہے، سنگار سنگرہ اُن کی مشہور کتاب ہی، جس مین ناشتر کے تمام پہلوؤن پر مبصرانہ نظر ڈالی گئی ہے، ان کے شاگرد نرائن راؤ تھے، جن کا کلام ابھی تک راقم الحروف کی نظر سے نہین گذرا، منسا رام نے رگھوناتھ روپک لکھی، جس کی زبان مارواڑی ہے، یہ انیسوین صدی کی ابتدائی تصانیف مین سے ہے' یہ دراصل عروض کی کتاب ہی، لیکن اس صنعت سے لکھی گئی ہے، کہ اس کے مندرجہ اشعار سے عروض کی مثالون کے ساتھ رام چندرجی کی سوانحمری بھی مرتب ہوگئی ہے،

مذہبی نظمین

اب تک جن نظمون کا ہم نے ذکر کیا ہے، وہ زیادہ تر مذہب سے تعلق رکھتی ہین، جن کا رواج اب بہت کم ہوگیا ہی، اس مین شک نہین کہ نئی تہذیب کے آغوش مین مذہبی تحریکون کا زور رہا، لیکن ان کا اثر لٹریچر پر زیادہ نہین پڑا، البتہ نثر مین مذہبی خیالات کی تبلیغ اخبارات اور کتابچون کے ذریعہ برابر ہوتی رہی، پھر بھی مذہبی نظم کا تھوڑا بہت ضرور رواج رہا، ۱۸۰۷ئہ مین جے پور کے راجہ جے چند نے سوامی کا رتک منظوم لکھی، جس مین جینیون کے اصول وعقائد کی تشریح کی گئی ہے، ہاتھرس مین بختاورجی نے ایک عجیب وغریب نظم سونیسر لکھی جسمین یہ ثابت کیا ہے کہ خالق ومخلوق وغیرہ کوئی چیز نہین ہین اور دنیا مین کسی چیز کا وجود ہی نہین،

دوسو برس کے بعد رام بھگتی کا پھر زور ہوا، منی شاعر نے رام راون کی لڑائی، اور رامائن کے مختلف قصے نظم کئے، چندر جھا نے ادھیاتم رامائن نظم کی، سہج رام نے رگھونبس اور ہنومان

ناٹک کا سلیس ترجمہ کیا، رگھوناتھ داس نے رام چندرجی کے ترانے گائے، اور جانکی پرشاد نے رام چندر پر اچھے اچھے گیت لکھے تلسی داس کی تصانیف پر شرحین بھی لکھی گئین، چنانچہ بندن پاٹھک نے رام چرتر مانس کی شرح مانس سنکاؤلی لکھی، اور شیو پرکاش سنگھ نے ونے پتر کا کی شرح رام تتو بودھنی لکھی، اسی طرح کرشن بھگتی کا بھی زور ہوا رسک گوبند اور للت کشوری وغیرہ کے اشعار زیادہ تر کرشن جی کے کارنامون سے متعلق ہین،

عیسائی مذہب کی اشاعت سے حضرت عیسیٰؑ کے حمد بھی مقبول ہونے لگے، ان مین زیادہ تر انگریزی مذہبی گیتون ([illegible]) کے ترجمے ہین، اس لئے ان مین کوئی ادبی حسن وخوبی نظر نہین آتی، لیکن جو اور تخیل ہندی مین لکھے گئے ہین وہ نہ صرف کلیسا مین پسند کئے جاتے ہین بلکہ باہر بھی گائے جاتے ہین، ان مین سب سے اچھے گیت ایک عیسائی جان کرسچین (JOHN CHRISTIAN) کی تصنیف ہین، اس شاعر کی سب سے مشہور نظم مکتی مکتا وبی ہے جسمین حضرت مسیحؑ کی زندگی بیان کی گئی ہے'

زمانۂ حال

دنیا کے لٹریچر کا عموماً، اور ہندی لٹریچر کا خصوصاً یہ حال رہا ہے کہ کبھی نظم کا رواج زیادہ ہوا ہے، اور کبھی نثر کا، ہم نے دور جدید مین ہندی کی ترقی کی جو تاریخ درج کی ہے' اس مین نظم کی ترقی کی داستان غالب ہے، اور واقعہ یہی ہے کہ انیسوین صدی کے آخر تک نظم کا سرمایہ نثر سے بہت زیادہ رہا، لیکن بیسوین صدی کی ابتدا ہی سے نثر کی ترقی ہونے لگی، اور آج ہندی نثر کا ذخیرہ اتنا بڑا ہوگیا ہے، کہ اس کا مقابلہ یورپ کی کسی زبان کے لٹریچر سے کیا جاسکتا ہے، نظم نے بھی ترقی کی، ریدکال کی فرسودہ شاعری، اور انیسوین صدی کی مذہبی شاعری سے نجات مل گئی، اور ان کی جگہ سیاسی اور ترقی پسند شاعری نے لی، نظم ونثر کی اس ترقی کا حال ہم چند الفاظ مین نیچے بیان کرین گے،

دورِ حاضر کے سب سے پہلے ادیب بھارتیندو ہریش چندر ہیں، جنھوں نے تقریباً سوا سو[125] تصانیف یادگار چھوڑی ہیں، انھوں نے ادب میں حریت پسندی کی بنیاد ڈالی، اور اسے حب الوطنی کے زیور سے سجایا، ان کے بعد سری دھر پاٹھک اور مہابیر پرشاد دویدی کا نام لیا جاتا ہے، انھوں نے نظم و نثر میں کتابیں بھی بہت سی لکھیں اور شاگرد بھی بہت سے چھوڑے، اس طرح گویا لٹریچر کا ایک اسکول بن گیا، اس اسکول کے علاوہ ایک دوسرا اسکول ہے، جس کے بانی پنڈت اجودھیا سنگھ اپادھیا اور پنڈت ناتھو رام سنکر شرما ہیں، یہ لوگ لفظی تراش و خراش کو عام فہم شاعری پر ترجیح دیتے تھے، اسی وجہ سے ان کی شاعری زیادہ مقبول نہ ہو سکی، ان کے بعد بابو میتھلی سرن گپت ہیں، جو آج کل ہندی کے سب سے بڑے شاعر سمجھے جاتے ہیں، یہ حال ہی میں جیل سے چھوٹے ہیں، اس سے ان کی حب الوطنی کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے، انکی تصانیف میں بھارت بھارتی، ساکیت جسودھرا، جیدرتھ بدھ وغیرہ عام طور پر پڑھی جاتی ہیں، آج کل کے پرانے شاعروں میں لالہ بھگوان دین اور گیا پرشاد شکل سنیہی ہیں، جن کی زبان اردو آمیز اور بامحاورہ ہے، ان کے پیروؤں میں لکھن لال چترویدی اور بال کرشن شرما نے بہت نام پیدا کیا، پنڈت رام چندر شکل جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے، شاعر تو بہت اچھے نہ تھے، لیکن تنقید نگاری میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے، یہی حال پنڈت رام نریش ترپاٹھی کا ہے، انھوں نے کوتیا کومدی سات جلدوں میں تالیف کر کے ہندی ادب پر بڑا احسان کیا ہے، مذہبی انداز کے جدید شاعروں میں پریم گھن، ست نرائن شرما اور جگن ناتھ داس رتناکر کا نام لینا ضروری ہے، اس زمانے کے دوسرے شاعروں میں پنڈت روپ نرائن پانڈے، سیا رام سرن گپت، انوپ شرما، گردھر شرما، سری رام شرما، کامتا پرشاد گرو، رام چرت اپادھیا، اور موہن پرشاد پانڈے وغیرہ بھی قابلِ ذکر ہیں، گذشتہ دس برس میں بڑے اچھے شاعر پیدا ہوا ہے، جو شاعری کی

دوڑ میں قدیم اساتذہ کے بھی بہت آگے نکل گئے ہیں، ان میں جے شنکر پرشاد، سورج کانت نرالا، سمترا نندن پنت، نگینہ ناتھ، ویوگی ہری، ہری کرشن پریمی، سبھدرا کماری چوہان، سمترا سنہا، ودیاوتی گوکل اور مہادیوی ورما کے نام سب سے پہلے لئے جاتے ہیں،

جدید ہندی نثر کی ابتدا راجہ شیو پرشاد ستارۂ ہند سے ہوتی ہے، انھوں نے زیادہ تر درسی کتابیں لکھیں، ان کی زبان اردو ہے، جو ناگری رسم الخط میں لکھی گئی ہے، کچھ عرصہ کے بعد راجہ لچھمن سنگھ نے شدھ (خالص) ہندی کی بنیاد ڈالی، جس میں زیادہ تر الفاظ سنسکرت کے ہوتے ہیں، آخر ان دونوں مصنفوں کی طرز تحریر کا رواج کم ہو گیا، اور ہریش چندر نے ایک ایسا اسلوب ایجاد کیا، جو ان دونوں کی درمیانی صورت ہے، اس اسلوب کو بالمکند گپت نے مانجھ کر صاف کیا، چنانچہ ان کا اسٹائل اور ان کی زبان ہندوستانی کا بہترین نمونہ ہے، ان کے ہم عصروں میں بال کرشن بھٹ، پرتاب نرائن مصر، بدری نرائن چودھری، ٹھاکر جگموہن سنگھ، سوامی دیانند، بھیم سین شرما اور امبکا دت ویاس وغیرہ اچھے مصنف ہوے، ان کی متعدد تصانیف ہیں،

اسی زمانہ میں ناگری پرچارنی سبھا کی بنیاد پڑی، جس نے اب تک نصف صدی کی زندگی بسر کی ہے، اور اس عرصہ میں اس نے ہندی کی بہت خدمت کی ہے، لغات، لسانیات اور ادب پر متعدد بیش قیمت کتابیں لکھی گئیں، اور مقبول ہوئیں، اس سبھا کا سب سے معرکۃ الآراکام "شبد ساگر" یعنی نہر اللغات کی تصنیف ہے،

ہریش چندر کے بعد اچاریہ دویدی جی، پدم سنگھ شرما، کرشن بہاری مصر، پدم لال پنالال بخشی تنقید میں، جے شنکر پرشاد، بدری ناتھ بھٹ، گوبند بلبھ پنت تمثیل نگاری میں، دیوکی نندن کھتری، کشوری لال گوسوامی اور پریم چند ناول میں، جے شنکر پرشاد، پریم چند، جوالا دت شرما، وشمبھر ناتھ شرما کوشک، شیو پوجن سہاے، مہاشے سدرشن، ہردیش، بیچن شرما اور جینندر کمار افسانہ نگاری میں

بہت مشہور ہین، ان کی کتابون کا ترجمہ بہت سی دیسی زبانون مین ہو چکا ہی،

آج کل ہندی ادب ترقی پسند ہو رہا ہے، ہندوستانی سیاست کا بہت گہرا اثر ہندی لٹریچر پر پڑ رہا ہے، مارکس کے نظریات بہت عام ہوگئے ہین، روس اور جرمنی کی موجودہ جنگ سے بھی ہندی ادب بہت متاثر ہوا ہی، دوسری طرف ہندی پر گاندھی جی کے اصولون اور عقائد کا بھی بہت بڑا اثر پڑا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ادب مین تھوڑی سی قدامت پرستی آگئی ہی اور روحانیت، فلسفہ اور مذہب ہر ایک نے ہندی مین اپنی مناسب جگہ پائی ہی، ہندی مین ترجمے بکثرت ہین، جس کی تفصیل ہم اپنے مضمون "جدید ہندی کا سرمایۂ ادب" مطبوعہ رسالہ اردو بابتہ جنوری سنہ ۱۹۴۰ء مین درج کر چکے ہین،

بیس برس سے ہندوستان ستیاگرہ کی لڑائی لڑ رہا ہی، اس سے چالیس سال پہلے سے وہ حقوق کے لئے لڑتا تھا، اور دو سو برس سے غلامی کی زنجیرون کو توڑنے کی کوشش کر رہا ہی، ادھر ڈھائی برس سے عالمگیر جنگ ہو رہی ہی، امریکہ جو "چودھری" بن کر قومون مین صلح کراتا تھا، خود لڑ رہا ہی، روس اور چین کی کثیر آبادی جنگ کے شعلون سے جھلس رہی ہے، ہندوستان کے دروازے پر جنگ کا بھوت پہنچ چکا ہی، ان سب کا اثر ہندی ادب پر پڑا ہی، اور پڑتا رہے گا، ایسی حالت مین ہندی کا مستقبل وہی ہوگا، جو ہماری قوم اور سارے زمانہ کی قسمت مین ہی،

نقوشِ سلیمانی

یہ مولانا سید سلیمان ندوی کی ہندوستانی اور اردو زبان و ادب سے متعلق تقریرون، تحریرون اور مقدمون کا مجموعہ ہی، جو انھون نے بعض ادبی کتابون پر لکھے۔

ضخامت .. ۵ صفحے، قیمت مجلد سے ر

"مینجر"

تلخیص و تبصرہ

فنِ گفتگو

مندرجہ بالا عنوان سے ایک دلچسپ مقالہ اسٹیٹسمین مین شائع ہوا ہے، اس کی تلخیص ذیل مین درج ہے :-

جب دو صاحبِ مذاق آپس مین ملتے ہین، تو انکا ذہنی اتصال گفتگو ہی کے ذریعہ سے ہوتا ہی، وہ گفت گو ہی سے ایک دوسرے کے خیالات و جذبات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہین، اسی لئے گفتگو کو ایک آرٹ کہا گیا ہی، یہ آرٹ ایسے اشخاص کی صحبت مین سیکھا جا سکتا ہے، جو قدرتی طور پر اسکے ماہر ہون، گفتگو کی نوعیت اور محاسن ہی سے گفتگو کرنے والے کے کلچر کی خوبی اور اوصاف کا اندازہ ہوتا ہی، اعلیٰ قسم کی گفت گو کا انحصار ذہن کی ذکاوت اور دماغ کی تیزی پر نہین ہے، بلکہ اس کا تعلق خود تعلیم اور کلچر پر ہے،

اہلِ مشرق اپنے خالی اوقات مین زیادہ تر لوگون کے ساتھ بیٹھکر بات چیت کرتے ہین، اسکو ان کی کاہلی اور بیکاری پر محمول نہین کرنا چاہئے، بلکہ اس طرح کی انفرادی گفتگو اور تبادلۂ خیالات سے دماغ کے لئے ایسی غذا ملتی رہتی ہے، جو کتابون کے مطالعہ سے میسر نہین ہوتی، ان کے لئے گفت گو تعلیم خصوصًا نفسیاتی تعلیم کا ایک بڑا ذریعہ ہے، گو وہ خود عام طور سے اسکی تعبیر اس طرح نہین کرتے ہین،

ارباب فلسفہ اور اصحاب علم کی گفتگوؤن مین ایک خاص قسم کی شگفتگی ہوتی ہے، جو اپنی لذت کی بنا پر ذہنی تربیت کا ذریعہ بنتی ہے، عہد قدیم کے علوم وفنون پر گہری نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے، کہ گفتگو مین سلیقہ اور تربیت ہی پر کلچر کی اعلیٰ ترقی کا انحصار تھا، لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا موجودہ دور مین یہ آرٹ بالکل نظرانداز کر دیا گیا ہے، اگر واقعی نظرانداز کر دیا گیا ہے تو اس کا سبب کیا ہے؟ اساسی طور پر موجودہ نسل گذشتہ نسلون سے مختلف نہین، گو بظاہر دونون مین ایک وسیع خلیج حائل نظر آتی ہے، لیکن اس سے انکار نہین کیا جا سکتا ہے کہ موجودہ عہد کے لوگون کی زندگی کی نوعیت بالکل بدل گئی ہے، ان کی زندگی غیر معمولی مشغولیت کی وجہ سے طوفان خیز ہو گئی ہے، اور ان کو اپنی مشغولیت کے ہجوم مین اتنی فرصت نہین ملتی، کہ وہ گفتگو کو آرٹ کے طور پر سیکھنے اور اخذ کرنے کی کوشش کرین، خصوصاً جب کہ یہ عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ گفتگو بے کار اور خالی وقت مین کیجاتی ہے، لیکن یہ کوئی معقول وجہ نہین، اس کے اصلی اسباب موجودہ تمدن کے معاشرتی اجزاء کا تجزیہ کرنے کے بعد معلوم ہونگے، درحقیقت اس کے دو سبب بتائے جا سکتے ہین، ایک تو تجارت کا وسیع پیمانہ پر فروغ، دوسرے انسان کے جذبۂ خود پسندی کی بے راہ روی، دونون نے مل کر ایک ایسے قلعہ کو مسمار کر دیا، جو انسانی ذہن مین تعمیر ہو گیا تھا، اس مین شک نہین کہ خود پسندی کا جذبہ موجودہ دور کی پیداوار نہین، بلکہ اس وقت سے قائم ہے، جب سے انسانی آبادی شروع ہوئی لیکن پہلے خود پسندون کے کچھ افراد پائے جاتے تھے، اور اب ہر جگہ خود پسندون کی قومین پیدا ہو گئی ہین، یہی خود پسند قومین تجارت کے اسلحہ ہاتھون مین لیکر ان تمام چیزون سے برسرپیکار ہین جن سے ان کو مادی اور تجارتی فوائد حاصل نہین ہوتے ہین، ایسی حالت مین فنون لطیفہ کی ترقی کی کیا امید ہو سکتی ہے، چنانچہ ارباب علم کتاب لکھتے وقت بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کو پیش نظر رکھنے کے بجائے اپنے ناشرون کو سامنے رکھتے ہین، بہت سے باکمال شعراء محض

اس لئے گمنامی اور غربت کی حالت مین زندگی بسر کر رہے ہین، کہ اس تجارتی دنیا مین شاعری فن گفتگو کی طرح محض ایک ذہنی عیاشی سمجھی جاتی ہے، یہ دونون آرٹ تجارت کے دائرہ سے باہر ہین، اس لئے ان کی طرف توجہ کم ہے، لیکن جو ملک یا خطے ابھی تجارتی اور صنعتی بننے سے محفوظ ہین، وہان یہ دونون آرٹ اب بھی مقبول ہین، شہرون کے شور وغوغا سے دور اب بھی یہ منظر دیکھنے مین آتا ہے کہ کچھ لوگ بیٹھکر یا تو منظوم قصے پڑھتے اور سنتے ہین، یا آپس مین میٹھی میٹھی باتین کرتے ہین، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی باتین فضول بکواس ہوتی ہین، کیونکہ ان کی گفتگو زمانہ کی رفتار اور تمدن کی ترقی کے مطابق نہین ہوتی، لیکن یہ رائے صحیح نہین، گو ان کی باتون مین تجارت اور مشین کی دنیا کی مادیت نہین ہوتی، لیکن ان کی مجلس گفتگو گوناگون فوائد پر مشتمل ہوتی ہے، وہ جب اپنی مجلس مین بیٹھکر بات چیت شروع کرتے ہین، تو اس کی لذت سے ان کا تکدر و اضمحلال دور ہو جاتا ہے، اور اسی کے ذریعہ وہ ایک دوسرے کے جذبات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہین جس سے وہ اپنی معاشرتی اور اجتماعی زندگی مین قریب تر رہتے ہین، اس طرح ہر شخص کی انفرادیت غیر ارادی طور پر برقرار رہتی ہے،

گفتگو کے دو پہلو ہین، کرنا اور سننا، اچھی گفتگو کرنے والے کی طرح اچھے سننے والون کی بھی کمی ہوتی جا رہی ہے، گفتگو سننے والون کے لئے ضروری ہے، کہ وہ حساس ہون، گفتگو مین خاموش رہ سکتے ہون، تاکہ صبر وسکون کے ساتھ گفتگو کے معانی ومطالب کو اخذ کر سکین، ان مین عقل سلیم کے ساتھ بیدار مغزی بھی ہو، تاکہ گفتگو کو نہ صرف آسانی سے سمجھ سکین، بلکہ اپنے جواب سے گفتگو کرنے والے کی گفتگو مین تنوع پیدا کر سکین، ان کو گفتگو کرنے والے کی طرح ضروری معلومات سے باخبر ہونا چاہئے، گو یہ ضروری نہین کہ گفتگو کرنیوالے کی رائے سے متفق بھی ہون، سنجیدہ اور مہذب اشخاص کی گفتگو ایک دلچسپ تجربہ کا باعث ہوتی ہے، انکی گفتگو مین ایسا توازن ہوتا ہے کہ خواہ ان مین کتنا ہی اختلاف ہو، لیکن گفتگو مین تلخی اور

ناگواری نہین ہونے پاتی، اچھی گفتگو کرنے والا کبھی اپنی گفتگو کو مذہبی عقیدہ کی حیثیت سے شروع نہین کرتا، کہ اس مین ترمیم اور تبدیلی کی گنجائش نہ ہو، کیونکہ فنِ گفتگو مین مخاطب کے خیالات کا احترام ملحوظ رکھنا ضروری ہے، گفتگو کرنے والے کو پورا حق ہے کہ وہ اپنی راے کی حمایت اور مدافعت کرے، اپنے اصول کو واضح اور اپنے فلسفیانہ نقطۂ نظر کو روشن کرے، لیکن اس سے یہ بھی توقع کیجاتی ہے کہ معقول دلائل و براہین سے قائل ہونے مین تامل نہ کرے، اور محض احساسِ کمتری کی بنا پر معقول بات کو تسلیم کرنے سے منکر نہ ہو، کہ اس سے گفتگو کی ساری لذت جاتی رہتی ہے، اور گفتگو محض مناظرانہ بحث مین تبدیل ہو کر رہ جاتی ہے،

اچھی گفتگو کرنے کے لئے وقت اور جگہ کا لحاظ ضروری ہے، مناسب وقت اور مناسب جگہ مین دماغ گفتگو کرنے اور اس کے سننے کے لئے حاضر رہتا ہے، لیکن آج کل کی زندگی مین مناسب وقت اور مناسب جگہ کا تعین کرنا مشکل ہے، خالی اوقات زیادہ تر سینما اور ناچ گھرون مین برباد کئے جاتے ہین، سینما اور ناچ گھر کی دلچسپیون سے دماغ کی تفریح تھوڑی دیر کے لئے ضرور ہو جاتی ہے، لیکن اس قسم کے مشاغل سے دماغ کی تربیت اور نشو و نما نہین ہوتی، بعض ہوٹلون مین ایسے اشخاص ملتے ہین، جو گفتگو کرنے مین ایسے منہمک ہوتے ہین، کہ ہوٹل کی موسیقی اور سڑکون کا شور و غوغا بھی انکے انہماک مین مخل نہین ہوتا، لیکن ایسی مثالین کم ہین، بہر حال گفتگو کو آرٹ کی طرح سیکھنے والے اشخاص کے لئے شہر کے ہنگامہ خیز ماحول مین بھی مناسب جگہ مل سکتی ہے، بشرطیکہ وہ اسکے خواہان ہون، عام طور سے چاندنی رات اور گرمی کے موسم کی ٹھنڈی اور خوشگوار ہوا اچھی گفتگو کرنے کے لئے بہت موزون ہوتی ہے، فضا لطیف ہو، صحبت پسندیدہ ہو، اور فرصت کے اوقات کا بہترین مصرف لینے کا خیال ہو، تو پھر گفتگو کرنے والون کے لئے ایک نئی دنیا پیدا ہو جاتی ہے،

ملکۂ وکٹوریہ کے زمانہ مین اچھی گفتگو کرنا ایک بڑا معاشرتی وصف سمجھا جاتا تھا، وہ میزبان بہت مقبول ہوتا تھا، جو اپنے مہمانون کی ضیافت اعلیٰ قسم کی گفتگو سے کر سکتا تھا، کھانے کی میز پر اچھے کھانون سے زیادہ اہمیت اچھی گفتگو کو دی جاتی تھی، اس گفتگو کے ذریعہ عورتون اور مردون کی ایسی تعلیم ہو جاتی تھی، کہ وہ اہم سیاسی تجارتی اور اقتصادی مسائل کھانے کی میزون پر طے کر لیتے تھے، گو ایسی گفتگو کو فن کے نقطۂ نظر سے پُر فریب کہا جا سکتا ہے، کیونکہ اس طرح گفتگو کرنے والون کے اصلی خیالات و جذبات کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا ہے، وہ اپنے مقاصد کو سامنے رکھکر اپنی گفتگو مین مدبرانہ پہلو اختیار کرتے ہین، اس لئے ایسی گفتگو کلچر اور انسان کے ذہنی نشو و نما کیلئے مفید نہین ہوتی، مگر ملکۂ وکٹوریہ کے عہد مین فرصت کے اوقات زیادہ تر گفتگو کرنے مین بسر کئے جاتے تھے، اور یہی ان کا بہترین مصرف تھا، کیونکہ گفتگو ہی کے ذریعہ سے آپس مین اتحاد، اخوت، اور یگانگت پیدا کرنے کی کوشش کیجاتی تھی،

موجودہ دور کے طرز زندگی نے فنِ گفتگو پر کاری ضرب لگائی ہے، قدیم طرز کے گھرونکی قدیم فضا مین یہ فن آسانی سے ترقی کرتا تھا، لیکن جدید زندگی کا نیا مذاق اس کے لئے سنگِ راہ ہو رہا ہے، مثلاً اب گھرون مین ریڈیو ہوتا ہے، اسکی گفتگو سے دماغ کی تفریح تو ضرور ہو جاتی ہے، لیکن اس سے دماغ کی ورزش مطلق نہین ہوتی ہے، اسی لئے یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اگرچہ موجودہ دنیا نے سائنس کے فروغ مین نمایان کارنامے انجام دیئے، لیکن آرٹ اور کلچر کی ترقی مین اس کی کامیابیان نسبتہً حقیر ہین، اور جب کبھی معاشرتی زندگی کو اعلیٰ معیار پر لانے کی کوشش کیجائیگی، تو فرصت کے اوقات کا بہترین مصرف زیر غور ہوگا، اس وقت فنِ گفتگو کی اہمیت کا بھی صحیح اندازہ ہوگا،

"ص ع"

چین مین مسلمان

چین مین مسلمانون کی کل آبادی پانچ کروڑ ہے، جو مختلف حصون مین پھیلی ہوئی ہے، ان کی بڑی تعداد سکینگ (Sikang) زیچوان، کنسو اور ینان کے مغربی صوبون مین ہے، ہوپیح کے مرکزی اور پکین کے جنوبی حصہ مین بھی اچھی خاصی آبادی ہے، پکین کے جنوب مین جو مسلمان آباد ہین، وہ اس شہر کی کل آبادی کی تہائی سے کم نہ ہون گے، تبت کے بعض باشندون نے بھی جو وہان آباد ہین، اسلام قبول کر لیا ہے،

چین مین مسلمانون کی ابتدا کیونکر ہوئی، اسکی اب تک تحقیق نہ ہو سکی، اس بارہ مین جو کچھ بھی کہا جا سکتا ہے، اسکی حیثیت قیاسات و شواہد سے زیادہ نہین، اسلام ایک سیلابِ عظیم کی طرح شمالی افغانستان سے ترکستان تک پھیل چکا تھا، اس کا اثر چین پر بھی پڑا، چودھوین اور سترھوین صدی عیسوی کے درمیان شاہی منگ خاندان کے افراد نے ترکستان سے آئے ہوئے مسلمانون کو نہ صرف شمالی مغربی چین مین بسنے کی جگہ دی، بلکہ ہر موقع پر انکی ہمت افزائی کی، لیکن اس سے بھی پہلے تیرھوین صدی مین ٹنگیس اور سنگس کے زمانہ مین فکین چیکیانگ کے سواحل پر عرب نو آبادیات تھین، صوبہ چنگھائی مین زرد دریا کے کنارے ایک قوم آباد ہے، جسے "سالار مسلمان" کہا جاتا ہے، یہ لوگ تین صدی پیشتر سمرقند سے آکر آباد ہوئے تھے، اس زمانہ سے لیکر اب تک ان کے تعلقات سمرقند سے قائم ہین،

چین کی شاہی حکومت کی طرف سے مسلمانون کو قانونِ شریعت کی پیروی کی مکمل آزادی تھی، اگر کبھی مسلم اور غیر مسلم مین کسی قسم کا جھگڑا ہو جاتا، تو عام قاعدہ یہ تھا، کہ اس کا فیصلہ مسلمانون کے احکامِ شریعت کے مطابق ہوتا تھا، موجودہ جمہوری حکومت نے بھی مسلمانون کے شرعی اور

معاشرتی قوانین کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے،

چینی مسلمان عام طور سے مختلف حصون مین منقسم ہین، ان کی جماعتین کسی مقدس شہر یا مسجد کے چارون طرف آباد ہین، انکا سب سے مقدس مقام ہوچھاؤ ہے، پرانے زمانہ مین ہر امام کے لئے ہوچھاؤ کی تعلیم ضروری تھی، رفتہ رفتہ اسکی مرکزی اور سیاسی طاقت بھی بڑھ گئی، لیکن موجودہ زمانہ مین گھٹتی جا رہی ہے، اور اسکی جگہ سن انگ لے رہا ہے، اب ہر امام کے لئے وہان کی تعلیم ضروری ہے، کیفنگ، ہیکینگ، کنمنگ وغیرہ بھی چینی مسلمانون کے مرکزی مقامات ہین، تقریبًا تمام مسلمان عقیدۃً اہل سنت ہین، تصوف ایک خاص فرقہ مین ہے، جنھین جبیری کہتے ہین، کچھ نوجوان احمدی فرقہ سے بھی تعلق رکھتے ہین، جو اپنی تبلیغ اور تعلیم مین بڑے انہماک کا اظہار کر رہے ہین، اور اس مین ان کو کامیابی ہو رہی ہے،

چینی مسلمان بہت صالح اور اسلامی جذبہ رکھتے ہین، انھون نے کیومن ٹنگ مین ایک لیگ قائم کی ہے جس کا نام "انجمن قومی فلاح و بہبودی مسلمانانِ چین" ہے، پیکنگ مین ان کا ایک نارمل اسکول ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ اس مین ایسے نوجوان پیدا ہون جو آیندہ قوم کی رہنمائی کر سکین،

ٹنگ ہے، کینسو اور ننگھسا کی فوج مین تقریبًا اسی ہزار مسلمان سپاہی ہین، مالوفینگ کی زیرِ قیادت انھون نے حملہ آورون (جاپانیون) کو سخت شکستین دین، یہ بات خاص طور سے قابلِ ذکر ہے، کہ پئے جنگسی مسلمانون پر جو چینی فوجی اسٹاف کے ہین، چیانگ کائی شک کو بڑا بھروسہ ہے، یہ ان لوگون مین ہین جن کے کندھون پر آزاد چین کی فوج کا بوجھ ہے، برما کی سڑک کی تعمیر مین مسلمان مزدورون کی بھی بڑی تعداد تھی، چین کا مکہ معظمہ سے ہمیشہ روحانی تعلق رہا ہے، کچھ عرصہ پہلے تک ہندوستانی حکومت چینی حجاج کی ہر ممکن آسایش کا خیال کرتی تھی، لیکن ادھر کچھ دنون سے ماسعد عبدالرحمٰن نے جو جامعہ ازہر کی تعلیم یافتہ اور چین کے نائب سفیر ہین یہ فرائض اپنے ذمہ لئے ہین، ابھی حال ہی مین ٹرکی کے چینی سفیر ڈاکٹر چنگ چین تُو عراق سے دوستانہ تعلقات کے قیام کیلئے بغداد گئے تھے، اہل چین کی یہ دلی خواہش ہے کہ چین اور اسلامی ممالک دائمی رشتۂ اخوت مین منسلک ہو جائین،

اخبار علمیہ

لندن کے کتب خانے

لندن کے کتب خانون کی موجودہ تعداد ۱۸۶۰ ہے، جن مین برٹش میوزیم کی مطبوعہ کتابون کی تعداد دنیا کے تمام کتب خانون کی مطبوعہ کتابون کی تعداد سے زیادہ ہے، ان کتب خانون مین کتابین زیادہ تر گذشتہ دوسو سال سے جمع کیجا رہی ہین، گو لندن مین ازمنۂ وسطیٰ ہی سے مخطوطات کے بکثرت کتب خانے موجود تھے، لیکن وہ زیادہ تر خانقاہون مین تھے، جہان سے کتابین فوری طور پر عارۃً پڑھنے کو دیجاتی تھین، سولھوین صدی مین ان خانقاہون کو متعدد اسباب کی بنا پر سخت نقصان پہنچا، ان کی عمارتین مسمار کر دی گئین، جس سے مخطوطات کے قیمتی ذخیرے بھی ضائع ہوگئے، جو کتابین محفوظ رہ گئین انھین، جمع کرکے جلد سے جلد مختلف گوشون مین پہنچا دیا گیا، لیکن ۱۶۶۶ء مین لندن کی بڑی آتشزدگی مین کتابون کی ایک بڑی تعداد پھر تلف ہوگئی، سینٹ پال کے گرجے مین عبرانی کتابون کا ایک بے مثل ذخیرہ جمع تھا، اسکی شہرت عالمگیر تھی، یہ ساری کتابین جل کر راکھ ہوگئین، اٹھارہوین صدی عیسوی مین ارباب علم کی کوششون سے پھر مختلف کتب خانے قائم ہوتے گئے، آکسفورڈ مین رابرٹ ہارلے نے جو آکسفورڈ کا پہلا ارل تھا، ایک کتب خانہ ہارلین لائبریری کے نام سے قائم کیا، اس مین زیادہ تر مخطوطات تھے، برٹش میوزیم کی جانب بھی زیادہ توجہ کی گئی، چنانچہ ۱۷۵۹ء مین اس کے ساتھ ایک دار المطالعہ کھولا گیا، اور ہارلین لائبریری کے سارے مخطوطات یہان منتقل کر دیئے گئے، اس وقت اسکی مطبوعہ کتابون کی

تعداد تیس لاکھ ہے، دنیا کی ہر زبان کی کتابین اس مین موجود ہین، ہر زبان کے اخبارات بے شمار آتے ہین، اس کو شاہانہ سرپرستی بھی حاصل ہے، جارج سوم نے اس کو بائیس ہزار دو سو پچیس ۲۲۲۵ کتابین عطا کین، جن مین دو ہزار کتابین صرف ۱۶۴۲-۴۹ء کی خانہ جنگی پر تھین، جارج چہارم نے بکنگھم محل کے کتب خانہ کی پینسٹھ ہزار دو سو پچاس کتابین نذر کین، یہ مجموعہ شاہی کتب خانہ کہلاتا ہے، برٹش میوزیم کا کتب خانہ ثقافتی دولت کی ایک بے مثل کان ہے، اسکی فہرست تیار کرنے مین چالیس سال کی مدت لگی ہے، اور اب بھی ایک پورا اسٹاف نئی کتابون کی فہرست نگاری مین برابر مشغول رہتا ہے، مطبوعہ کتابون کے علاوہ مخطوطات کی تعداد بھی کثیر ہے، جن مین ۵۴ ہزار بہت ہی قدیم نسخے، ۸۵ ہزار فرامین، ۱۸ ہزار مختلف قسمون کی مہرین، اور ۲½ ہزار یونانی اور لاطینی کاغذات ہین،

اتفاقی ایجادات

ارباب کمال کی بہت سی ایجادین محض اتفاقات کی رہین منت ہین، مثلاً سر آئزک نیوٹن باغ مین بیٹھا تھا، کہ ایک سیب درخت سے ٹپک کر گرا، اس نے اس ٹپکنے کی وجہ تلاش کی، جس سے کشش ثقل کا علم ہوا، اسی طرح جاذب کی ایجاد بھی عجیب و غریب طریقہ پر ہوئی، گذشتہ صدی کی ابتدا مین برک شائر کے ایک کارخانہ مین ایک مزدور کاغذ بنانے کے مسالے کے تمام اجزا مشین مین دینا بھول گیا، اس لئے جب کاغذ تیار ہوا، تو خلاف توقع بہت ادنیٰ درجہ کا نکلا، اسکی فروخت نہ ہوسکی اور کارخانہ کے مالک نے اس کو اپنے ذاتی کام کے لئے رکھ لیا، ایک دن جب اوس نے اس کاغذ پر کچھ لکھنے کی کوشش کی تو ساری سیاہی اس مین جذب ہوگئی، اس وقت اس کاغذ کو جسے ردی سمجھ لیا گیا تھا، جاذب کی حیثیت سے گران قیمت پر فروخت

کیا گیا، بڑی بڑی عمارتوں میں لوہے کی جو کنکریٹ (Ferro-Concrete) استعمال
ہوتی ہین، اس کے متعلق بھی دلچسپ طریقہ سے معلومات حاصل ہوئین، ایک فرانسیسی باغبان بہت
مشتعل مزاج تھا، غصہ اور اشتعال کی حالت مین اپنے گلدانوں اور گملوں کو توڑ دیا کرتا تھا، اس سے
اسکو بڑی مالی زیر باری ہوتی تھی، چنانچہ اس نے خاص وضع کے گلدان بنانے شروع کئے،
اور آہنی تاروں کے گلدان بنا کر اس کے اندر اور باہر سیمنٹ کی تہ جما دی، یہ اس قدر مضبوط
ثابت ہوئے کہ جب وہ انتہائی غصہ مین بھی ان کو زمین پر پٹکتا تو وہ نہ ٹوٹتے، اسی کے بعد سے یہ ترکیب
عمارتوں مین استعمال کیجانے لگی،

ایک روز ایک فرانسیسی سائنسدان نے اپنے معمل کی ایک الماری سے ایک خالی بوتل
اٹھائی، اتفاقاً وہ بوتل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پختہ زمین پر گر گئی، لیکن بالکل محفوظ رہی،
سائنسدان مذکور کو اس کے سبب کی تلاش ہوئی، بالآخر اس کو معلوم ہوا کہ بوتل مین ایک
ایسی کیمیاوی دوا تھی جس کے اثر سے وہ بوتل ٹوٹ نہ سکی، اسی کے بعد شیشوں کو محفوظ رکھنے
کے لئے کیمیاوی دوائین ایجاد کین،

دنیا کا سب سے بڑا پھول

دنیا مین سب سے بڑا پھول سماترا مین پیدا ہوتا ہے، اس کا قطر ایک گاڑی کے پہیے کے برابر
تین فٹ ہوتا ہے، اس پھول کے پانچ پتے بیضاوی شکل اور سپید رنگ کے ہوتے ہین، جو ایک
مرکز کے چاروں طرف بڑھتے رہتے ہین، اس پھول کا وزن پندرہ پونڈ ہے، اس مین دو گیلن
پانی آسانی سے سما سکتا ہے، اسکی کلیان بڑے خاکی کرم کلہ سے مشابہ ہوتی ہین،

"ص ع"

باب التقریظ والانتقاد

صفۃ المعمورہ علی البیرونی

از

جناب سید حسن صاحب برنی، بی اے ال ال بی (علیگ) ایڈووکیٹ بلند شہر

حال ہی میں ہمارے ملک کے محکمۂ آثار قدیمہ نے یہ مجموعہ بطور تذکرہ (Memoir) نمبر ۵۳، اپنے
مطبوعات کے سلسلہ مین شائع کیا ہے، اس مین جامعۂ استنبول کے فاضل استاد تاریخ احمد زکی ولیدی
توغان نے ابوریحان البیرونی (متوفی ۴۴۰ھ) کی چار کتابون (۱) قانون مسعودی (۲) تحدید نہایات
الاماکن لتصحیح مسافات المساکن (۳) کتاب الجماہر فی معرفۃ الجواہر اور (۴) کتاب الصیدنہ سے بعض
حصص اور مقامات انتخاب کرکے یکجا جمع کر دیئے ہین، استاد موصوف کو البیرونی کی تصانیف سے خاص
شغف ہے اور انھون نے ترکی اور یورپ مین اسکی تصانیف کی جستجو مین کافی وقت اور محنت صرف
کرکے بعض نوادر مثلاً تحدید کا مصنف کے قلم کا لکھا ہوا نسخہ، اور صیدنہ (عربی) کا واحد قلمی نسخہ اپنے
ملک کے بیش قیمت ذخائر سے دستیاب کئے ہین، جیسا کہ اس مجموعہ کے مجوزہ نام سے معلوم ہوتا ہے اس مین
استاد موصوف نے البیرونی کی جغرافیائی معلومات کو روشن کرنے کی کوشش کی ہے، وہ اس سے پہلے بھی
اس مبحث پر لکھ چکے ہین، (دیکھو اسلامک کلچر ج ۸ نمبر ۴) اس خاص مجموعہ مین سب سے پہلے قانون مسعودی کے
پانچوین مقالہ کے نوین اور دسوین باب کو لیا گیا ہے جس مین اجمالی طور پر آبادی، اقالیم اور شہرون کے طول بلد اور

عرض بلد کا تذکرہ پایا جاتا ہے،

فاضل مدیر کے مختصر انگریزی دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ قانون مسعودی کے چند بہترین نسخے ترکی کے کتب خانون مین ملتے ہین، جنسے انھون نے ان ابواب کے مقابلہ و تصحیح مین کام لیا ہے، قانون مسعودی ابھی تک شائع نہین ہو سکی ہے، علی گڈہ مین مدتون سے کام جاری ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ اُن نسخون کا ذیل مین ذکر کر دیا جائے، ممکن ہے کہ آیندہ اُن سے استفادہ کی کوئی صورت پیش آسکے،

(۱) کتب خانہ ولی الدین آفندی کا نسخہ نمبر ۲۲۷۰ (واقع مسجد سلطان بایزید استنبول) جو پانچوین چھٹی ہجری کا معلوم ہوتا ہے۔

(۲) عجائب خانہ جنگی استنبول کا پانچوین چھٹی صدی کا نسخہ،

(۳) کتب خانہ ولی الدین جار اللہ استنبول کا نسخہ نمبر ۱۴۹۸، مکتوبہ ۵۳۱ھ (۱۱۳۶-۱۱۳۷ء)،

(۴) رصد خانہ قندلی باسفورس کا نسخہ مکتوبہ ۱۱۴۷ھ

(۵) کتب خانہ یوسف آغا قونیہ نمبر ۹۰۷، پانچوین چھٹی صدی ہجری کا نسخہ،[1]

استاذ احمد زکی کی راے مین نمبر ا و نمبر ۵ سب سے اچھے نسخے ہین، ان دونون کا متن نمبر ۱ پر مبنی ہے جس کا مقابلہ دوسرے نسخون سے بھی کیا گیا ہے،

کتاب الجماہر حیدرآباد کے دائرۃ المعارف سے شائع ہو چکی ہے اور اس کا وہ حصہ جو موتیون

[1] اس جلیل القدر تصنیف کے پانچ ایسے اچھے نسخون کے پائے جانے سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ ترکی کے خزانے فی الواقع اسلامی تصانیف کے جواہر پارون سے مالامال ہین، کتاب التفہیم مطبوعۂ ایران کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہی حال ایران کا ہے، وہان بھی "قانون مسعودی" کے دوسرے نسخے موجود ہین، وہ بہر حال ما کہ ہندوستان مین قانون مسعودی کا بہترین نسخہ چوری کے ذریعہ سے جرمنی کے کتب خانہ برلن مین پہونچ چکا ہے،

سے تعلق رکھتا ہے، حال ہی مین ترجمہ ہو کر اسلامک کلچر مین بھی شائع ہوا ہے،

الصیدنہ کا واحد نسخہ بروصہ کے کتبخانہ جامع کرشن لو مین پایا جاتا ہے جسے ۶۷۸ھ (۱۲۷۹-۱۲۸۰ء) مین بمقام قونیہ غضنفر التبریزی نے اپنے قلم سے نقل کیا تھا، یہ بڑے طبیب اور مصنف تھے، انہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا البیرونی کا وہ رسالۃ الفہرست ہے جس مین اس نے تاریخ اسلام کے نامور طبیب زکریا رازی کی تصانیف کی تفصیل بیان کی ہے، یہ پورا رسالہ یورپ مین شائع ہو چکا ہے، اور اس کا وہ حصہ جو صرف البیرونی کی تصانیف سے تعلق رکھتا ہے، الآثار الباقیہ کے جرمن دیباچہ مین شریک ہے،

الجماہر اور "الصیدنہ" کا جغرافیہ سے براہ راست تعلق نہین ہے، پہلے مین تو جواہرات وغیرہ سے بحث ہے اور دوسرے مین ادویۂ مفردہ سے جو طب مین کار آمد ہو سکتی ہین، لیکن چونکہ یہ چیزین مختلف ملکون اور مقامون مین پائی جاتی ہین، اس لئے اس سلسلہ مین البیرونی نے بہت سی اپنی جغرافیائی معلومات اور یادداشتین بھی شریک کر دی ہین،

الصیدنہ غالباً البیرونی کی آخری تصنیف ہے، اور اس کا ناقص فارسی ترجمہ ابوبکر بن علی الکاشانی نے ہندوستان مین شمس الدین التمش کے لئے ساتوین صدی ہجری کے شروع مین کیا تھا، عربی نسخہ ناقص ہونے کے باعث مدیر نے بعض مقامات فارسی ترجمہ سے بھی شریک کر لئے ہین،

اس کتاب کی تصنیف اس طرح ہوئی کہ البیرونی اپنی آخر عمر مین مفردات کے بارہ مین اپنی تحقیقات و معلومات کی یادداشتین لکھنا چاہتا تھا، لیکن کوئی مددگار نہین ملتا تھا، یہانتک کہ استاد الشیخ احمد النہشفی اس کام کے لئے تیار ہوا، استاذ موصوف نے اپنے قلم سے مفردات کے نام جمع کئے، اور ان پر البیرونی نے حواشی اور یادداشتین لکھدین، جسے بعد مین غزنہ کے ایک فاضل امام ظہیر الدین ابی المحامد محمود بن مسعود نے ۵۴۹ھ مین بڑی جانفشانی سے اصل مسودہ سے جو بمشکل پڑھا جاتا تھا، کتاب کی شکل مین مرتب کر دیا، بلکہ کچھ مزید حواشی خود بھی بڑھائے، ترکی کا نسخہ اسی سے نقل کیا گیا ہے،

خالص جغرافیائی نقطۂ نظر سے قانون کے بعد اس مجموعہ کا سب سے دلچسپ حصہ تحدید کے انتخابات ہین،

افسوس ہے کہ فاضل مدیر نے اس کتاب اور "صیدنہ" کو پورا کیون نہ شائع فرما دیا، الجماہر طبع ہو چکی ہے، اس کے

انتخابات چھوڑے جا سکتے تھے، اسطرح شائقین کی تشنگی بجائے فرد ہونے کے اور بھی بڑھ جاتی ہے، لیکن

بہرحال ہم ترکی کے اس فاضل استاد کے شکر گذار ہین، جنکی اس قابلِ قدر علمی محنت سے جو بہترین طریقہ

پر انجام دیگئی ہے، ان نایاب جواہر پارون سے روشناس ہونے کا موقع مل رہا ہے؛

اطوال البلاد اور عروض البلاد کے متعلق قانون مسعودی کا یہ حصہ بظاہر ایک معمولی جدول ہے،

جسمین کل ۶۰۲ بلاد کا ذکر کیا گیا ہے، اور اس مین کچھ ہندوستان کے مقامات بھی شامل ہین، لیکن اسکی

اہمیت کا صحیح اندازہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب ہمین یہ معلوم ہو جائے کہ اُن کی طیاری مین البیرونی کا ذاتی

حصہ کتنا ہے، اور اسکے انجام دینے مین اُسکو کس قدر جانفشانی کرنی پڑی ہے، دسوین باب کی تمہید مین خود

ہی لکھا ہے، مین نے اس جدول مین جو اطوال و عروض درج کئے ہین، وہ تصحیح کی انتہائی کوشش کے بعد

کئے ہین (بعد الاجتہاد فی تصحیحہا) صرف کتابون کی نقل محض پر اکتفا نہین کی گئی ہے، کیونکہ کتابون

مین ان کے متعلق بڑی ابتری پائی جاتی ہے؛

اطوال و عروض کے دریافت مین البیرونی کا کیا حصہ ہے، اس کا پتہ تحدید سے چلتا ہے، جس مین کہین

کہین اوس نے اپنے ذاتی مشاہدات و مساعی کا ذکر کیا ہے، اس کی علمی تحقیقات اور اس علمی بیداری

کو دکھانے کے لئے جو اس دور مین علمی مسائل کے متعلق علماے اسلام کی تحقیقات مین عام طور پر نمایان

ہے، ہم صرف چند مثالون پر اکتفا کرین گے،

نفس عرض جرجانیہ (خوارزم) کو تحقیق کرنے کے لئے کم از کم پانچ جداگانہ رصدون کے

ذریعہ سے اوس نے مشاہدات کئے، ایک بچپن مین جب کہ وہ بمشکل اٹھارہ برس کا تھا، پھر دوبارہ پانچ

چھ برس بعد، چوتھی مرتبہ ۴۰۷ھ مین جب کہ وہ خود جرجانیہ مین اور اس کا مشہور معاصر ہیئت دان

ابو الوفا محمد بن محمود البوزجانی بغداد مین کسوف قمر کی رصد کرتے تھے، اور نتائج کا مقابلہ کرتے جاتے تھے

سب سے آخری مرتبہ ۴۰۷ھ مین جب کہ اس کی عمر ۴۵ سال کی تھی وہ ایک موقع پر لکھتا ہے:

"اس فصل کے لکھتے وقت یعنی سہ شنبہ غرہ جمادی الآخرہ ۴۰۹ھ کو مین کابل کے ایک قریہ مین جس کا

نام جیفور(؟) ہے، موجود ہون، جہان ان مواضع کے عروض معلوم کرنے کی شدید حرص مجھے

کھینچ لائی ہے، اور اسکی بدولت ایسی محنت اٹھا رہا ہون کہ حضرت نوح اور لوط نے بھی برداشت

نہ فرمائی ہوگی، اگرچہ فضل و رحمتِ الٰہی کی دستگیری مین اُن کے بعد میسر مجھے بھی تجھے فریاد ہے

اس کے احسان کی،" (ص ۶)

ایک دوسرے مقام پر شہر جرجان کے طول البلد کی تصحیح کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"مین نے مشہور فلسفی و طبیب) ابو علی الحسین بن عبد اللہ بن سینا کا وہ رسالہ دیکھا ہے جو اوس نے

شمس المعالی (والی جرجان) کی صاحبزادی زرین کیش کیلئے اسی کی فرمایش پر جرجان کے

طول کی تصحیح کے متعلق لکھکر بھیجا تھا،

جو طریقہ ابن سینا نے اس کام کے لئے اختیار کیا تھا، اس پر اس طرح تنقید کرتا ہے:-

یہ طریقہ، اجتہاد صرف مطلب نکال لینے کے لئے اپنی سہولت اور وقتی امکانات کے لحاظ سے

اختیار کیا گیا ہے، ورنہ باوجود ابو علی کی ذکاوت و فطنت کے وہ ہرگز قابلِ سند نہین ہے

کہ جس پر بھروسہ کرکے مانا جا سکے بالخصوص ایک طالب امر کے لئے۔" (ص ۶۵)

پھر آگے چل کر ایک جگہ لکھتا ہے:-

"اس بارہ مین ابو الفضل ہروی جو ریاضیات مین ابو علی پر تقدم رکھتا ہے، زیادہ معتمد ہے،

اُس نے عرض جرجان کو دو مرتبہ ۳۷۱ھ و ۳۷۲ھ مین رصد کے ذریعہ سے معلوم کیا تھا، دونون

سنون کے نتیجون مین جو فرق ہے، وہ محض آلات کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے ہے،" (ص ۶۶)

جہان اس سے البیرونی کے انتہائی نقد و نظر کا پتہ چلتا ہے، وہان یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے علمی مسائل مین اُس دور کی بعض مسلمان خواتین بھی دلچسپی رکھتی تھین، چنانچہ زرین گیش کی طرح البیرونی کی ایک ہم وطن خاتون ریحانہ بنت الحسن بھی مسائل ہیئت و نجوم مین شغف رکھتی تھی، جسے پورا کرنے کے لئے البیرونی نے کتاب التفہیم لکھی تھی،

اور بھی متعدد رصدون کا ذکر ہے، جو مختلف اطوال و عروض سے تعلق رکھتی ہین، اس مجموعہ مین التحدید کا ایک اور دلچسپ مقام شریک نہین ہے، جو دوسری جگہ میری نظر سے گذرا ہے، عرض غزنہ کا ذکر کرتے ہوئے البیرونی لکھتا ہے :-

"تا این دم صرف عرض غزنہ ہی معلوم کرنے کا موقع ملا ہے، رہا طول تو اُس کے معلوم کرنے کے ابھی تک اسباب میسر نہین آئے، اب اگر اُن چیزون کو بتانے بیٹھون جو مانع ہین تو تم خیال کرنے لگوگے، کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی ظاہری و باطنی نعمتون کا کفران کر رہا ہے، اور اُن نعمتون کا بھی جو ولی النعم (سلطان محمودؒ) کے ہاتھون سے حاصل ہوئی ہین، پس یہی مناسب ہے، کہ اللہ تعالیٰ سے توفیق چاہون، کہ وہ اُن مباحث کو سرانجام دینے کے لئے سہولتین پیدا فرمادے، جس سے مجھے عشق ہے، اور جس کے حصول سے میرا عزم اُس حالت مین بھی باز رہنا نہین چاہتا، جس مین روح اور بدن کا خطرہ ہو، بلکہ خواہ کیسے ہی خوفناک وقتون مین کیون نہ ہون جلدی کرنا چاہتا ہون، اور فضل ایزدی پر تکیہ کرتے ہوئے دنیا و دین کی بہتری کے لئے امداد مانگتا ہون"

اس سے البیرونی کے اس ناقابل شکست عزم و جرأت کا پتہ چلتا ہے، جو اس کی علمی تحقیقات مین ہمیشہ کار فرما نظر آتی ہے، قانون مسعودی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد مین اس نے غزنہ کے طول البلد کی پیمایش بھی انجام دے لی تھی،

اس کتاب مین اور بھی بہت سے اشارے البیرونی کی علمی زندگی کے متعلق ملتے ہین، اسی کتاب مین طبقات الارض کا وہ اہم نظریہ بھی موجود ہے، جو نباتی اور حیوانی آثار متحجرہ پر غور کرنے کے بعد ثابت کرتا ہے، کہ کرۂ ارض اپنے زمانۂ وجود مین طویل مدتون کے اندر مختلف ادوار سے گذرا ہے، اور ایک عرصہ تک برف و آب کے نیچے رہ چکا ہے، ابن سینا بھی اس نظریہ کا قائل تھا، اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظریہ حکماے اسلام مین عام طور پر شائع اور مقبول تھا،

یہی اندازِ تحقیق و تدقیق الجماہر اور الصیدنہ مین پایا جاتا ہے، بلکہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اسکی نظر کی گہرائی تحقیقات کی پختگی اور بیان کی متانت اور زیادہ ہوتی چلی گئی ہے،

ان کتابون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ عربی، فارسی اور سنسکرت کے علاوہ یونانی، عبرانی اور سُریانی سے بھی تھوڑی بہت واقفیت رکھتا تھا، اسکی مادری زبان خوارزمی تھی، جو معلوم ہوتا ہے اس زمانہ تک مستقل اور جداگانہ حیثیت رکھتی تھی، اس نے لکھا ہے کہ عربی و فارسی دونون زبانون مین ایک دخیل (یعنی باہر سے آنے والے) کی حیثیت رکھتا ہون، اور انھین بتکلف استعمال کرتا ہون"

ایک دوسرے مقام پر لکھتا ہے:

"بچپن ہی سے مجھے معارفِ علمیہ کی جستجو مین حد سے زیادہ حرص ہے اسکی شہادت کے لئے یہ واقعہ کافی ہوگا، کہ ایک رومی (یعنی یونانی زبان کا جاننے والا) میرے ملک مین آیا، مین اس کے پاس غلہ، نبات، پھل اور پودے وغیرہ لیکر پہنچتا اور اس کا یونانی نام پوچھکر لکھ لیتا تھا، لیکن عربی کتابت مین یہ بڑی دقت ہے کہ بعض حروف کی صورتین آپس مین مشابہ ہین اور ان مین صرف نقطون کا فرق ہے، اور اعراب کی علامتون مین ابتری ہوجانے سے مفہوم ہی مبہم ہوجاتا ہے، اس دشواری پر اگر مقابلہ کرنے مین غفلت یا مقابلہ کی حالت مین تصحیح سے بے پروائی کا اضافہ کرلیا جائے تو گویا ہماری قوم مین کتابکے عدم اور وجود

کی حالت یکسان ہوجاتی ہے، بلکہ خود علم وجہل کی، اگر یہ آفت نہ ہوتی، تو کتاب دیسقوریدس
کے عربی ترجمہ مین جو یونانی نام درج ہین، وہ بالکل کافی ہوتے، لیکن مین ان پر ذرا بھی
بھروسہ نہین کرتا"

"ایک طرف اگر رسم الخط پر نکتہ چینی ہے، تو دوسری طرف عربی زبان کی خوبی کے با
مین یون رطب اللسان ہے:

"عربی مین مجھے ہجو بھی فارسی کی مدح سے زیادہ پیاری معلوم ہوتی ہے، میرے اس
قول کی سچائی وہ شخص جان سکتا ہے، جو کسی علمی کتاب کے فارسی ترجمہ پر غور کرے، کہ
کس طرح اس کی رونق جاتی رہتی ہے، اور وہ پر شکستہ اور روسیاہ ہوکر رہ جاتا ہے،
فارسی زبان تو میری راے مین بس اخبار کسریٰ اور قصص شبینہ ہی کیلئے موزون معلوم ہوتی ہے"

اب ہم اخیر مین صیدنۃ اور الجماہر سے کچھ مختصر انتخابات اور پیش کرنا چاہتے ہین، جن سے البیرونی
کا انداز تحقیق ظاہر ہوتا ہے،

(ص ۱۱۵ کاشانی کے فارسی ترجمہ سے)

چاء، یہ ایک قسم کی نبات ہے، جس کا وطن سرزمین چین ہے، اہل عرب اُسے "صاد" سے معرب
کرکے بولتے ہین (یعنی صاد) یہ شراب کی مضرت کو دور کرتی ہے، اسی لئے تبت مین لیجاتے ہین، جہان کے
رہنے والے بڑے شرابی ہین، تبت مین اسکی قیمت مین مشک کے سوا دوسری چیز نہین لیتے، اس کی پتیان
قدرے باریک اور خوش مزہ ہوتی ہین، لیکن تھوڑی سی تلخی لئے ہوئے، جب جوش دے لیتے ہین، تو ذ
تلخی بھی جاتی رہتی ہے، گیلی پتیان نیچے اوپر رکھ کر کوٹتے ہین، اور گرم پانی مین ملاکر شربت بناتے اور پیتے
ہین، اُس کا شربت اندرونی حرارت کو بجھا دیتا اور خون صاف کرتا ہے، جن لوگون نے اس نبات کو

۵۷ دیکھو اسلامک کلچر ۱۹۳۲ء جلد ۶ نمبر ۲ جس مین الصیدنۃ کے نسخے پر بہت سی معلومات موجود ہین،

نواحی چین مین دیکھا ہے، ان کا بیان ہے کہ بادشاہ کے دار السلطنت شہر بنجوس کے درمیان ایک وادی ہے
جس کے بیچ مین ہوکر ایک بڑا دریا گزرتا ہے، وہ دجلہ کی طرح ہے، جو کہ بغداد مین ہوکر گذرتا ہے، وادی
کے دونون طرف حمام اور خانہ دار ہین، وہین چاے نوشی کیجاتی ہے، جیسا کہ سرزمین ہند مین دستور
ہے، کہ بھنگ مقررہ مقامات پر پی جاتی ہے جس کا خراج بادشاہ کے خزانہ مین داخل ہوتا ہے، چا
کی خرید و فروخت بغیر شاہی حکم کے ممنوع ہے، اور جو شخص نمک اور چاے بغیر شاہی اجازت کے
خرید و فروخت کرتا یا چراتا ہوا پایا جاتا ہے، تو اُسی مار ڈالتے، بلکہ اس کا گوشت کھاجاتے ہین، جو آمدنی ان
مواضع کی جمع ہوتی ہے، وہ زر و نقرہ کے معادن کی آمدنیون کی طرح خاص بادشاہ کی ملک سمجھی
جاتی ہے، (ص ۱۱۵)

املج، یہ جزیرہ اقریطیس (کریٹ) سے آتی ہے، لیکن ہمارے ملکون مین ارض ہند سے کشمیر
کے کوہستانون مین مین نے درخت آملہ، ہلیلہ اکثر دیکھے، لیکن اس زمانہ مین آملے اور ہلیلے پورے
طور پر نہین بڑھنے پائے تھے، شیر آملج جزائر بحر سے لایا جاتا ہے، اور ہلیلہ سفید بھی، دوسرے لوگ ا
شاہ املج وہار انشاہ کے نام سے موسوم کرتے ہین، اور جو حرف "را" سے کام لیتے ہین، وہ سار غشتان
وشیر بامیان کہتے ہین، اور شیر املج کے معنی ہین شاہ املج،

الجماہر مین البیرونی نے ایک طویل الذیل بحث لکھی ہے، جسے حال ہی مین اس کتاب کے
فاضل مُدیر کرنکو نے جنھین البیرونی سے بڑی دلچسپی ہے، اسلامک کلچر مین انگریزی مین شائع کردیا
ہے، ذیل مین ہم اس بحث کا چھوٹا سا اقتباس دیتے ہین:

اللؤلؤ (موتی) ...... موتیون کی ایک قسم خشک آب کہلاتی ہے، جو چینی ہے، اور بلاد قتا
(خطا) سے منسوب ہے، اُس کا رنگ بجدا چاک سے ملتا ہوا ہے، اس مین نہ زیادہ آب ہوتی ہے
نہ رونق، وہ سنگریزون سے ملتے ہین، اسی لئے "خوش آب" کے مقابلے مین خشک آب کہلاتی ہین

دوسری قسمون سے اُن کے دام بھی کم ہوتے ہین، بعض کا خیال ہو کہ وہ بنے ہوئے ہوتے ہین،
چنانچہ ایک مرتبہ امیر شہید (سلطان) مسعود ایک شخص پر نہایت برہم ہوئے، کہ یہ بنے ہوئے موتی
ہین، اُس نے گھبرا کر چاقو سے انھین چھیلنا شروع کر دیا، اور کہنے لگا، کیا بنے ہوئے
ایسے ہی ہوتے ہین، ؟ حالانکہ اس کا ایسا کہنا اور ایسا کرنا، اُس کے دعوے کی دلیل نہ تھی،
جو شخص موتی بنا سکتا ہے، وہ اسکی تہین بھی بنا سکتا ہے،

قلزمی موتی بھی قطائی کی طرح ہوتے ہین، بلکہ اُن مین اور بھی کچھ خرابیان ہوتی ہین، جیسے
کھُردرا پن، میلا پن،.....

آگ کا موتی پر جو اثر ہوتا ہے، اس کا مشاہدہ حدود برانہ (= برن بلند شہر) کے بتکدون
مین ہوا، ..... لوہرا (یا دلہرا ؟) کے راجہ نے جو محمود کے ہاتھون مین گرفتار تھا، اسکے پاس
کہلا بھیجا، کہ یہ مجنون (یعنی فوجی جو مذہب کے جوش مین پاگل ہو رہے ہین) تجھے جواہرات سے محروم
کر رہے ہین پہلے انھین نکال دے پھر انھیں چھوڑ دے کہ جلاتے رہین لیکن محمود ضدی مزاج کا تھا اُسنے راجہ کا کہنا نہ سنا،
جب آگ بجھ گئی تو خاک مین ڈھونڈھا گیا، تو بڑے بڑے نفیس دانے ملے، جو گویا طباشیر کے
بنے ہوئے معلوم ہوتے تھے، اور یاقوت کا پگھلا ہوا پانی تھا، اور کوئی کارآمد شے نہ بچی، (ص ۔۔۔)

اگرچہ البیرونی کا خاص فن ریاضیات تھا جیسے ابن سینا کا فلسفہ اور طب لیکن اُس ذہمہ گیر حکیمانہ طبیعت پائی
تھی اسلئے اسے ہر قسم کی علمی معارف سے شغف تھا، اور علم و ادب کے میدانون مین اس نے اپنی حیرتناک جودت اور تعجب خیز
تحقیقات و انکشافات و نظریات کے آثار و نتائج چھوڑے ہین، ضرورت ہے کہ اس کی تحقیقات کو سمجھنے اور روشن کرنے
کیلئے ملک و قوم مین کوئی علمی انجمن یا جماعت قائم ہو جو اسکی باقیماندہ تصانیف کو شائع کرے اور انکی معلومات و تحقیقات سے
دنیا کو روشناس کرائے، اس پرتشویش دور مین یہ چیز خواب و خیال معلوم ہوتی ہے، قوم اور ملک کو دوسرے بہت مشغلون سے اتنی
کہان ہے کہ وہ ان چیزون کی طرف مائل ہون، دیکھئے کبتک انتظار کرنا پڑے کہ اس اہم بالشان علمی تحریک کی بنیاد قائم ہو،

مطبوعات جدیدہ

روح اقبال از جناب ڈاکٹر یوسف حسین خان صاحب استاذ تاریخ و سیاسیات جامعہ
عثمانیہ تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۰ ۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد [illegible] غیر مجلد [illegible]
پتہ سید عبد القادر اینڈ سنس حیدرآباد دکن،

اقبال کے فلسفہ اور ان کی تعلیمات پر اردو مین مضامین بلکہ مستقل کتابون کی کمی نہین، لیکن اگر
ان کا جائزہ لیا جائے، تو ان مین اقبال کے متفرق خیالات کے سوا، ان کی شاعری کی اصلی روح اور
اس کے بنیادی اور اہمات مسائل پر بہت کم بحث نظر آئے گی، اس لئے اقبالیات پر مضامین کی
بھرمار کے باوجود اب تک ایسی کتاب کی جگہ خالی تھی جس مین اسلامی تعلیمات کی روشنی مین کلام اقبال
کے اساسی مسائل پر بحث کی گئی ہو، اس کتاب نے بڑی حد تک اس کمی کو پورا کر دیا، اس مین تین مضامین
ہین "اقبال اور آرٹ" "اقبال کا فلسفہ تمدن" اور "ان کے مابعد الطبیعی تصورات"۔ پہلے مضمون مین نفس
شاعری کے نقطۂ نظر سے کلام اقبال کے مختلف پہلوؤن پر بحث کر کے فنی حیثیت سے اس کا درجہ دکھایا
گیا ہے، یہ مضمون لائق مضمون نگار کے وجدان سلیم ذوق ادب اور تنقید شعری کا آئینہ دار ہے، لیکن
اس کا تعلق کلام اقبال کے ظاہری آب و رنگ سے ہے، ان کے کلام کی اصلی روح اور اس کے اساسی
مسائل پر آخر الذکر دونون مضامین مین بحث کی گئی ہے، مصنف ماشاء اللہ مغربی علوم مین دستگاہ
رکھنے کے ساتھ دینی معلومات سے بھی بے گانہ نہین ہین، اس سے بھی بڑھکر وہ ایک صحیح العقیدہ مسلمان
ہین اور مغربی تعلیم کے باوجود اسلامی فکر و نظر اور مشرقی خیالات رکھتے ہین، اس لئے انھون نے بڑی

سلامت فکر کے ساتھ اسلامی تعلیمات کی روشنی مین اقبال کے فلسفہ تمدن و عمران ان کے تصور حیات
مابعد الطبیعی تصورات اور دوسرے فلسفیانہ خیالات کی جن کا انسانی فلاح و سعادت سے تعلق ہے مثلاً
خودی، مقاصد آفرینی عمل اور اخلاص، قصۂ آدم، انسانی فضیلت، تاریخی استقرا، انسان کامل، حیات
اجتماعی فرد اور جماعت مملکت اور تمدن، نظام معیشت، نظام معاشرت، مابعد الطبیعی مسائل مین:
حیرت خانۂ عالم، خودی اور خدا، توحید تقدیر اور زمانہ، جبر و اختیار، خودی عشق اور موت وغیرہ
کی تشریح کی ہے، ہر بحث فلسفیانہ استدلال کے ساتھ مصنف کی دینی حرارت کی مظہر ہے، جہان کہین
اقبال کے خیالات اور مغربی فلاسفہ کے تصورات مین تصادم ہوا ہے، وہان مغربی فلسفہ کی کمزوریان
اسکی اخلاقی تہی مایگی، تنگ نظری، مادیت اور فریب تمدن کا پردہ چاک کرکے اس کے مقابلہ مین
اقبال کے فلسفہ کی اخلاقی اور روحانی برتری اور وسعت دکھا کر ثابت کیا گیا ہے، کہ افراد کی
صلاحیتون کا نشو و نما ان کی سعادت، اقوام کی اخلاقی و مادی فلاح اور بین الاقوامی مشکلات
کا حل انہی تعلیمات کے ذریعہ سے ممکن ہے، گو مابعد الطبیعی مسائل مین بھی سلامت فکر کا دامن ہاتھ سے
نہین چھوٹا ہے، لیکن درحقیقت اس مین فلسفہ کی آمیزش مرغ بلند آشیان پر دام ڈالنا
ہے کہ فلسفہ اس حریم قدس کا محرم نہین مجموعی حیثیت سے اقبال کے فلسفہ پر اردو مین اس سے بہتر
کتاب نہین لکھی گئی، اس مین بڑی حد تک ان کی شاعری کی روح آگئی ہے، اور کتاب اس قابل
ہے کہ نہ صرف کلام اقبال سے دلچسپی رکھنے والے بلکہ ہماری تعلیم یافتہ نوجوان نسل کو جو عہد حاضر کے
فریب تمدن و سیاست کا شکار ہے، بطور نصاب کے پڑھائی جائے، ہم فاضل مصنف کو ان کی اس
کامیاب تصنیف پر مبارکباد دیتے ہین،

قومیت اور بین الاقوامیت، ازجناب قاسم حسن صاحب بی اے بی ٹی تقطیع
چھوٹی ضخامت ۱۶۱ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ پتہ، مکتبۂ جامعہ

ملیہ دہلی اور اسکی شاخین لاہور، لکھنؤ، بمبئی نمبر ۳،

جامعہ نے سیاسیات اور مسائل حاضرہ پر چھوٹی چھوٹی مفید کتابون کا جو سلسلہ شروع کیا ہے
یہ کتاب اسی کی کڑی ہے، اس مین قومیت کے تمام عناصر و اجزا اسکی قدیم تاریخ یورپ کے مختلف ملکون
مین اس کے ارتقاء کی داستان، مشرق مین قومیت کے تصور اور مشرقی ملکون مین اسکی سرگذشت
بین الاقوامیت کے تخیل کی ابتدا، مختلف ملکون مین اسکی کوششون انجمن بین الاقوام کی بنیاد اسکی سرگذشت
اور بین الاقوامیت کے مستقبل پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، کتاب موضوع کے اعتبار سے گو
مختصر ہے، لیکن قومیت اور بین الاقوامیت کے تصور اور اسکی تاریخ کے متعلق اختصار کے ساتھ تمام
ضروری معلومات آگئے ہین، انداز بیان شگفتہ اور دلچسپ ہے، موضوع کی خشکی سے لطف مطالعہ مین
کمی نہین آتی،

حیات سجاد، مرتبہ مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی تقطیع بڑی ضخامت ۱۶۰ صفحے، کاغذ
کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ پتہ مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف ضلع پٹنہ،

اس سے پہلے مولانا ابو المحاسن محمد سجاد مرحوم نائب امیر شریعت بہار کی یادگار مین مولانا مسعود عالم
ندوی نے محاسن ابو المحاسن کے نام سے مولانا مرحوم کے متعلق مضامین کا ایک مجموعہ شائع کیا تھا، اب ان کے
تلمیذ رشید اور رفیق کار مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی نے یہ دوسرا مجموعہ مرتب کیا ہے، اس مین مولینا مرحوم
کے احباب، معاصرین، تلامذہ، رفقائے کار اور دوسرے اہل علم واقف کارون کے قلم سے مولانا مرحوم
کے سوانح، سیرت و اخلاق علمی تعلیمی سیاسی اور دینی کارنامون پر مضامین ہین مضمون نگارون مین مولینا
سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی مولانا احمد سعید صاحب دہلوی، مولنا شاہ بدر الدین صاحب
امیر شریعت بہار کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہین،

ہم اور وہ، ازخواجہ محمد شفیع صاحب دہلوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۲۸ صفحے کاغذ کتابت

وطباعت بہتر، قیمت ۱۲ر، پتہ:۔ خواجہ محمد شفیع صاحب ٹیا محل دہلی،

یہ دلچسپ کتاب دہلی کے مشہور ادیب خواجہ محمد شفیع کی تازہ تصنیف ہے، اس مین پرانی نسل کے عیوب اوران کی برائیون اوران کے مقابلہ مین نئی نسل کے محاسن اوراس کی خوبیون کو دلچسپ انداز مین دکھایا گیا ہے، اسے سُن کر ممکن ہے کچھ لوگ کان کھڑے کرین، لیکن جن پہلوؤن سے یہ موازنہ کیا گیا ہے، وہ واقعات کی روشنی مین بالکل صحیح ہے، درحقیقت اس کا تعلق اس دورِ زوال کی نسل سے ہے، جبکہ ہماری معاشرت کا ڈھانچہ ہی بگڑ گیا تھا، اخلاق مسخ ہو چکے تھے، دینی حمیّت اور دنیاوی ترقی کا ولولہ دونون سرد پڑ چکے تھے، امرا عوام سے لیکر خواص تک عیش پرستی اور غفلت مین سرشار اور نکبت وادبار مین گرفتار تھے، سلطنت چھین چکی تھی، ملک ہاتھون سے نکل چکا تھا، لیکن کسی کو تباہ کن مشاغل سے فرصت نہ تھی، اس تباہ شدہ نسل کے اعمال و مشاغل کے مقابلہ مین نئی نسل کا احساس اوران کے بہتر اعمال بہرحال قابلِ ستائش ہین، گویہ کتاب افسانہ کے رنگ مین لکھی گئی ہے، لیکن درحقیقت ہماری تباہی و بربادی کے عبرت آموز واقعات ہین، خواجہ صاحب کی زبان کے متعلق کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے، نئی نسل مین دلی کی پرانی زبان کے حامل وہی ہین،

ترکی افسانے، مترجمہ جناب مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۲۰ صفحے، کاغذ معمولی، کتابت وطباعت بہتر، قیمت:۔ عہ، پتہ: مطبع ہند نمبر ۱، ساگردت لین کلکتہ،

مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی نے عرصہ ہوا ان افسانون کا ترجمہ اپنے اخبار ہند مین بالاقساط شائع کیا تھا، اب اونھون نے ان کو کتابی شکل مین شائع کیا ہے، اس مین چار افسانے ہین، زرعلیہ السلام "دیوانہ"، "عبدالرحمن آفندی پیٹ سے"، اور "شریف مجرم" چارون افسانے نہایت دلچسپ اور ترکی ادب کی خصوصیات کے حامل ہین، پہلے افسانہ مین ایک جاہل وہم پرست بندۂ زر کی مکروہ سیرت بے نقاب کی گئی ہے، دوسرے مین ترکی کے معاشرتی انقلاب اور جدت پسند اور قدامت پرستون

کے خیالات کو بڑے دلچسپ انداز مین دکھایا گیا ہے، تیسرا افسانہ مزاحیہ اور ایک دیوانہ کی خوش ہشیاری کی نہایت پُرلطف روداد ہے، چوتھے مین ایک قانونی مجرم لیکن قوم پرست محب وطن کا سبق آموز حال ہے، چارون افسانے پڑھنے کے لائق ہین، مولانا نے بالواسطہ عربی سے اس کا ترجمہ کیا ہے، لیکن اصل کا پورا لطف قائم ہے،

ادبی تاثرات، ڈاکٹر محی الدین زور قادری، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۴۴ صفحے، کاغذ، کتابت، وطباعت بہتر، قیمت مجلد عہر، پتہ سب رس کتاب گھر، خیرت آباد، حیدرآباد دکن،

ڈاکٹر محی الدین قادری نے اردو ادب کی بہت سی کتابون پر مقدمے اور تبصرے لکھے ہین جناب قدرت اللہ بیگ صاحب نے ان مین سے پچیس کا انتخاب کرکے ادبی تاثرات کے نام سے شائع کیا ہے، مقدمات عبدالحق کے بعد اس نوع کی یہ دوسری کتاب ہے، ڈاکٹر صاحب کی ادبی خدمات اوران کا تنقیدی ذوق مسلم ہے، جو ان تبصرون مین بھی نمایان ہے، اور اس مین جابجا زبان وادب کے متعلق کام کی باتین ملتی ہین، لیکن اس انتخاب مین ضرورت سے زیادہ وسعت سے کام لیا گیا ہے، چنانچہ اس مجموعہ مین سنہ ۲۴ء اوراس کے قریب زمانہ کی تحریرین بھی شامل ہین جبکہ ڈاکٹر صاحب کا اس میدان مین آغاز تھا، اس سے یہ فائدہ توضرور حاصل ہوا، کہ اس سے موصوف کے ذوقِ ادب کے تدریجی ارتقاء ورفتار کا اندازہ ہوجاتا ہے، لیکن اب وہ جس منزل پر پہنچ چکے ہین، اس کے لحاظ سے گذشتہ منزلون کے بہت سے نشانات بھلا دینے کے قابل تھے،

نغمۂ زندگی، از جناب سید فضل احمد کریم صاحب فضلی بی اے آکسن آئی سی ایس، ضخامت ۱۰۳ صفحے، کاغذ نفیس، ٹائپ پاکیزہ، قیمت مرقوم نہین، پتہ:۔ فضلی برادران لمیٹڈ کنٹ ہاؤس مشن رو اکسٹنشن، کلکتہ،

نغمۂ زندگی جناب فضل احمد صاحب فضلی کے کلام کا مجموعہ ہے، آج کل شعراء اور دواوین کی کمی نہین

آئے دن نئے نئے دیوان نکلتے رہتے ہین لیکن نغمۂ زندگی اپنی خصوصیات کی بنا پر خاص امتیاز رکھتا ہی، اولاً خود مصنف کی ذات آئی سی ایس اور خوش مذاقی اور انسانیت کے اجتماع اضداد کا نمونہ ہے پھر خیالات مین مشرقیت، قلب مین وسعت اور مذہب و ملت کا احساس جسکی توقع اُن کے ہم جنسون سے مشکل سے کیجا سکتی ہے، ورنہ خود مصنف کے بقول ہندوستان کی اس عجوبہ مخلوق کا یہ حال ہی،

وہ دیکھئے وضع وشان "نقلی" صاحب — کیا ہون گے اس انداز کے "اصلی" صاحب

اس مجمع مین آپ آکے کس طرح پھنسے — بہتر ہی کہ بھاگ جا ئین "فضلی" صاحب

عزت کی کلکٹری مین افزایش ہی — ہر طرح کے آرام ہین، آسایش ہی،

یہ سب تو درست ہے، مگر اے فضلی — کچھ وسعتِ قلب کی بھی گنجایش ہی،

شاعری کے نقطۂ نظر سے بھی نغمۂ زندگی نقائص سے پاک اور مصنف کی خوش مذاقی کا نمونہ ہی، خیالات مین بلندی و پاکیزگی، زبان مین صحت و صفائی، قومی نظمون مین دین وملت کا درد نمایان ہی، بعض بعض اشعار تو خیالات اور برجستگی کے لحاظ سے ضرب المثل بننے کے لائق ہین، قومی نظمین اگرچہ کم ہین، لیکن بہت اچھی ہین، "آکسفورڈ کی روداد بہت دلچسپ ہے" دیوان کی ترتیب مین بھی مصنف کی تصویر اور رسمی دیباچون تقریظون اور تعارف وغیرہ کے طومار کے بجائے خود مصنف کے اشعار سے ان چیزون کی دلچسپ ترجمانی کی گئی ہی ظاہری نفاست بھی دلفریب ہے، غرض نغمۂ زندگی ہر حیثیت سے قابلِ قدر ہی،

زہریلی مکھی اور **شمع خموشان** | از جناب محمود مورخ بی اے، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۴۰ و ۱۱۴ صفحے کاغذ وکتابت وطباعت معمولی قیمت ایک ایک روپیہ، پتہ گلفروش، پبلشنگ ہاوس دہلی،

یہ دونون کتابین مصنف کے افسانون کا مجموعہ ہین، پہلے مین دس افسانے ہین دوسری مین سات جناب مورخ کا رجحان افسانہ نگاری کے بجائے سادگی اور واقعہ نگاری کی جانب زیادہ معلوم ہوتا ہی چنانچہ ان افسانون مین تخیل اور انشاء کی رنگ آمیزی کے بجائے سیدھی سادی زبان مین ما فی الضمیر کو ادا کر دیا گیا ہی،

"م"